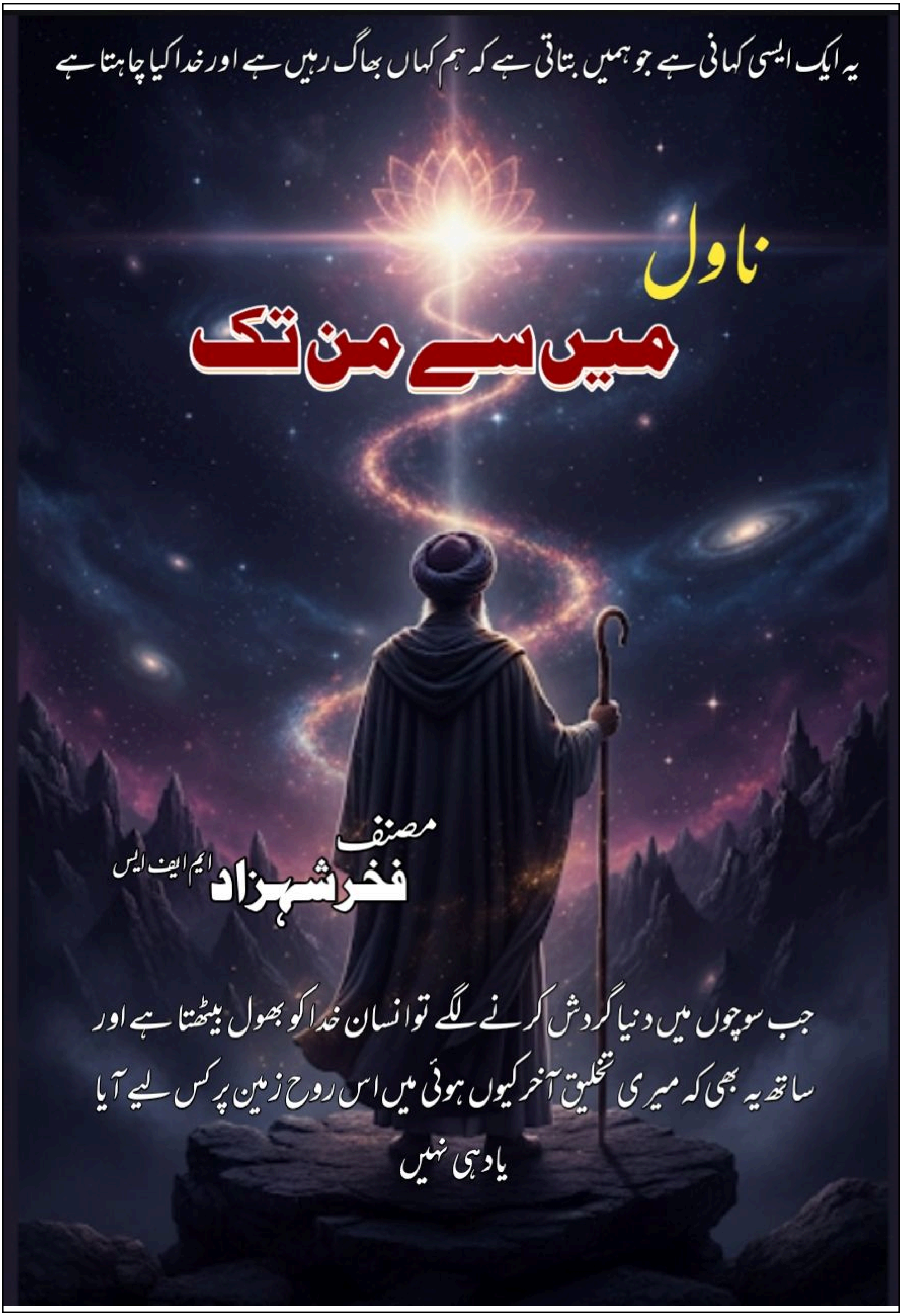

یہ ایک ایسی کہانی ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ ہم کہاں بھاگ رہیں ہے اور خدا کیا چاہتا ہے
ناول
میں سے من تک
مصنف
فخر شہزاد ایم ایف ایس
جب سوچوں میں دنیا گردش کرنے لگے تو انسان خدا کو بھول بیٹھتا ہے اور
ساتھ یہ بھی کہ میری تخلیق آخر کیوں ہوئی میں اس روح زمین پر کس لیے آیا
یاد ہی نہیں

تعارف کتاب

ناول

میں سے من تک

مصنف

فخر شہزاد ایم ایف ایس

کتاب میں سے من تک

مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس

پبلشر ابو موسیٰ لاہور پاکستان

اشاعت 2026

کہانی کی عکس بندی

یہ کہانی ایسے معاشرتی کرداروں
کے گرد گھوم رہی ہے جن
میں سے چند میں نے اپنی
انکھوں سے اس معاشرے میں
دیکھیں اور چند میرے اپنے ہی
ساتھ بیتے ہوئے کردار ہیں اور
چند اہم کردار جو کہ میں اس
معاشرے میں دیکھنا چاہتا ہوں۔

خلاصہِ کلام

"میں سے من تک" صرف ایک کہانی نہیں، بلکہ ایک انسان کے "فرعونِ وقت" بننے سے لے کر "فقیرِ راہ" بننے تک کا وہ دردناک اور سبق آموز سفر ہے جو مادی زندگی کی رنگینیوں سے شروع ہو کر روحانیت کی ابدی حقیقت پر ختم ہوتا ہے۔

یہ داستان ہے احمد غوری کی، جس نے غربت کے زخموں کا بدلہ لینے کے لیے دولت اور طاقت کو اپنا خدا بنا لیا۔ جس نے سمجھا کہ سونا اچھال کر کسی کی بھی غیرت خریدی جا سکتی ہے اور قانون کو جیب میں رکھ کر تقدیر کا قلم بدلا جا سکتا ہے۔ لیکن قدرت کا اپنا ایک نظام ہے، جہاں سجدوں کی جگہ سودے بازی نہیں چلتی۔

مرکزی خیال

کہانی میں جہاں ایک طرف احمد غوری کا تکبر ہے، وہیں دوسری طرف اقراء جیسی لڑکی کا وہ ہمت و استقلال ہے جو ثابت کرتا ہے کہ محبت جسمانی معذوری سے نہیں، بلکہ ظرف کی بلندی سے زندہ رہتی ہے۔ اس ناول میں قارئین کو معاشرے کے مختلف چہرے نظر آئیں گے:

* عشقِ حقیقی اور عشقِ مجازی کی کشمکش۔
* جعلی پیری مریدی کے نام پر ہونے والی روحانی دکانداری کا پردہ چاک۔
* ہوس کی منڈیاں جہاں محبت کے نام پر معصومیت کا سودا کیا جاتا ہے۔

پیغام

یہ ناول ہمیں سکھاتا ہے کہ انسان کی اصل کامیابی گاڑیوں، بنگلوں یا بینک بیلنس میں نہیں، بلکہ اس 'من' کی صفائی میں ہے جو اسے اس کے رب سے جوڑ دے۔ جب انسان اپنی 'انا' کا جنازہ اٹھا دیتا ہے، تبھی اسے وہ منزل ملتی ہے جسے 'سکون' کہتے ہیں۔

"جو 'میں' کو مار کر 'من' کو فتح کر گیا، اس نے کائنات جیت لی۔"

ناول "میں سے من تک" — ماسٹر لسٹ (کردار نامہ)
| نمبر شمار | کردار کا نام | کردار کی حیثیت و نوعیت | کلیدی خصوصیت / انجام |

1	احمد غوری (ہیرو)	مرکزی کردار (پہلے جابر سیٹھ، پھر درویش)	انا اور غرور کو مار کر توبہ اور معرفت کی منزل (من) پائی۔
2	اقراء	ہیروئن (عزم و وفا کی علامت)	اپنی محبت کے لیے دولت کو ٹھکرایا اور معذور شوہر کا مان بنی۔
3	حارث	ہیرو (غیرت مند نوجوان)	حادثے میں ٹانگیں کھونے کے باوجود ضمیر کا سودا نہیں کیا اور سکون پایا۔
4	سبحان فقیر	روحانی استاد (درویشِ کامل)	احمد غوری کے بھٹکے ہوئے نفس کو راستہ دکھانے والے رہنما۔
5	ثنا	ذیلی مرکزی کردار (رزاق کی بیٹی)	نادانی میں گھر سے بھاگی، ذلت دیکھی، مگر آخر میں توبہ کر کے گھر لوٹی۔
6	بلال	منفی کردار (مکار عاشق)	محبت کے نام پر ثنا کا سودا کیا اور انجامِ کار اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں مرا۔
7	صغراں بی بی	احمد کی والدہ (مثالی ماں)	بیٹے کے ظلم پر کڑھتی رہیں، ان کی وفات احمد کی تبدیلی کا سبب بنی۔
8	بابا جلال	منفی کردار (ڈھونگی پیر)	دین کے نام پر دکانداری کی اور آخر میں عوام کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوا۔
9	شیر خان	وفادار کارندہ (تبدیل شدہ انسان)	پہلے احمد کا جابر ملازم تھا، بعد میں فلاحی کاموں کا نگران بنا۔
10	رزاق	ثنا کا باپ (سفید پوش بزرگ)	معاشرے کے ڈر سے بیٹی کے لیے دل سخت کیا، مگر آخر میں ظرف کا مظاہرہ کیا۔
11	ماجا اور راجو	جرائم پیشہ کردار (سوداگر)	بلال کے ساتھ مل کر انسانی اسمگلنگ کی اور آخر کار قانون کی گرفت میں آئے۔
12	بشیر ماموں	احمد کے ماموں (مجبور سفید پوش)	احمد کے تکبر کا نشانہ بنے، مگر بعد میں اسے معاف کر کے رشتوں سے جوڑا۔
13	زینب	احمد کی بہن	ماں کی وفات پر احمد کو اس کی دولت کی بے بسی کا احساس دلانے والی۔
14	مہتاب	احمد کا دوست (دنیا دار)	احمد کو عیاشی کی طرف بلانے والا، جو مادی دنیا کا نمائندہ ہے۔
15	اکبر میاں	غریب ملازم (صابر انسان)	احمد کے تھپڑ کے بدلے اسے معاف کر کے توبہ کی ترغیب دی۔
16	نذیر	سماجی کردار (اولاد کا طالب)	معاشرے کے ان لوگوں کی نمائندگی جو پیروں کے چکر میں ایمان گنواتے ہیں۔

قسط نمبر 1 کے کرداروں کی تفصیل درج ذیل ہے:
کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 1: خالی ہاتھ اور بند دروازے)
| نمبر شمار | کردار کا نام | کردار کی نوعیت / تفصیل | اندازاً عمر |

1	احمد	کہانی کا مرکزی کردار (Protagonist)۔ ایک خوددار لڑکا جو باپ کی موت اور اپنوں کی بے حسی دیکھ کر انتقام اور کامیابی کا عزم کرتا ہے۔	12 سال
2	صغراں (ماں)	احمد کی والدہ۔ ایک صابر اور محنتی خاتون جو کڑے وقت میں اپنے بچوں اور بیمار شوہر کی دیکھ بھال کر رہی ہے۔	35 تا 40 سال
3	زینب	احمد کی چھوٹی بہن۔ معصوم بچی جو گھر کے حالات اور باپ کی بیماری سے خوفزدہ ہے۔	08 سال
4	اعجاز	احمد کے والد۔ ایک غریب اور بیمار شخص، جس کی موت اپنوں کی بے حسی اور بروقت علاج نہ ملنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔	45 تا 50 سال
5	تایا سائیں	احمد کا سگا تایا۔ ایک امیر لیکن انتہائی سرد مہر اور سنگدل انسان، جو ضرورت کے وقت اپنے بھائی کی مدد سے انکار کر دیتا ہے۔	50 تا 55 سال
نفسیاتی جائزہ (Character Note):
* احمد: اس قسط کے اختتام تک احمد کا کردار ایک معصوم بچے سے بدل کر ایک انتقامی اور جنونی نوجوان کی بنیاد رکھ چکا ہے۔ اس کی شخصیت میں اب "غربت کی مٹی" اور "کامیابی کی آگ" دونوں شامل ہیں۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس
قسط نمبر 1: خالی ہاتھ اور بند دروازے
منظر 1: کچا گھر - صبح کا وقت
(منظر کا آغاز ایک کچے صحن سے ہوتا ہے جہاں دھواں اڑ رہا ہے۔ صغراں (ماں) لکڑیوں کے چولہے پر روٹی پکا رہی ہے، پسینہ اس کے ماتھے سے بہہ رہا ہے۔)
صغراں: (بچوں کو آواز دیتے ہوئے) "احمد! زینب! جلدی کرو، سکول سے دیر ہو رہی ہے، خالی پیٹ نہیں جانا۔"
(احمد (12 سال) اور زینب (8 سال) پھٹے ہوئے بستے کندھے پر ڈالے قریب آتے ہیں۔ کمرے سے کھانسنے کی آواز آتی ہے۔ صغراں کا چہرہ اتر جاتا ہے۔ وہ ایک نوالہ توڑ کر کمرے کی طرف دیکھتی ہے جہاں اس کا شوہر، نذیر، چارپائی پر پڑا سانسوں سے لڑ رہا ہے)
منظر 2: سرد رات - بیماری کی شدت
(رات کا وقت ہے، بارش ہلکی ہلکی ہو رہی ہے۔ نذیر کی حالت بگڑ چکی ہے۔ وہ کراہ رہا ہے۔ صغراں دیوانہ وار اس کے ہاتھ پاؤں مل رہی ہے۔)
صغراں: (روتے ہوئے) "احمد! پتر بھاگ! اپنے تایا سائیں کے گھر جا، کہہ دے تیرے ابا کی سانس اکھڑ رہی ہے، کوئی سواری دے دیں یا شہر کے ہسپتال لے چلیں۔"
منظر 3: رشتے داروں کی دہلیز (مرکزی مکالمہ)
(احمد بارش میں بھیگتا ہوا اپنے سگے تایا کے بڑے دروازے پر دستک دیتا ہے۔ تایا باہر نکلتے ہیں، ہاتھ میں گرم چائے کا مگ ہے۔)
تایا: (بیزاری سے) "احمد؟ اس وقت کیا ہے؟"
احمد: (ہانپتے ہوئے) "تایا سائیں! ابا کی طبیعت بہت خراب ہے، وہ بول نہیں پا رہے، خدارا اپنی جیپ نکال لیں، ہمیں شہر جانا ہے۔"
تایا: (سرد مہری سے) "اوئے لڑکے! جیپ میں پٹرول نہیں ہے اور ڈرائیور چھٹی پر ہے۔ ویسے بھی نذیر کا وقت پورا لگ رہا ہے، اب حکیموں سے نہیں، دعا سے کام لو۔ جاؤ اب، سونے دو ہمیں!"
(دروازہ زور سے بند ہوتا ہے۔ احمد اگلے گھر جاتا ہے، پھر اگلے، لیکن ہر جگہ سے ایک ہی جواب ملتا ہے: "صبح آنا"، "ہمارے پاس پیسے نہیں ہیں"، "ہم خود پریشان ہیں۔")
منظر 4: واپسی اور موت کا سکوت

میں سے من تک

(احمد بھاگتا ہوا گھر داخل ہوتا ہے۔ صحن میں سناٹا ہے۔ صغراں سرہانے بیٹھی ساکت ہے۔ زینب کونے میں دبکی رو رہی ہے۔ احمد قریب جا کر باپ کا ہاتھ پکڑتا ہے، جو برف کی طرح ٹھنڈا ہے۔)

احمد: (چیخ کر) "ماں! میں نے سب کے دروازے کھٹکھٹائے، کوئی نہیں آیا۔ سب نے کہا دعا کرو۔ تایا نے کہا پٹرول نہیں ہے۔"

صغراں: (خالی نظروں سے احمد کو دیکھتی ہے) "پٹرول تو تھا احمد... بس ان کے پاس 'اپنائیت' ختم ہو گئی تھی۔ تیرے ابا نے ان کی بے حسی کا انتظار نہیں کیا، وہ چلے گئے۔"

منظر 5: لڑکے کا عزم (اختتامی ڈائیلاگ)

(احمد اپنے باپ کی بے جان آنکھیں بند کرتا ہے۔ اس کی مٹھیاں بھینچی ہوئی ہیں اور آنکھوں میں آنسوؤں کی جگہ ایک عجیب سی آگ ہے۔ وہ اپنے تایا کے گھر کے اونچے میناروں کی طرف دیکھتا ہے۔)

احمد (مونولوگ/خود کلامی): "آج ان دروازوں نے مجھے میری اوقات دکھائی ہے نا؟ آج ان سب نے ہمیں 'غریب' کہہ کر دھتکارا ہے نا؟"

(وہ زمین سے مٹی مٹھی میں بھرتا ہے)

احمد: "گواہ رہنا اس مٹی! اب میں تبھی لوٹوں گا جب ان دروازوں سے اونچی میری حویلی ہوگی۔ میں اتنا پیسہ کماؤں گا کہ یہ لوگ میری ایک جھلک دیکھنے کو ترسیں گے۔ میں ان سب کو اپنے قدموں میں اکٹھا کروں گا، اس لیے نہیں کہ میں ان سے پیار کرتا ہوں، بلکہ اس لیے کہ میں ان کی 'نیلامی' کروں گا۔ آج سے میرا خدا صرف 'کامیابی' ہے!"

سین کٹ (Scene Cut)

تحریر سکرین پر ابھرتی ہے: "بیس سال بعد..."

قسط نمبر 2 کے کرداروں کی فہرست درج ذیل ہے:
کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 2: فرعونِ وقت اور ٹوٹا ہوا دل)
| نمبر شمار | کردار کا نام | کردار کی نوعیت / تفصیل | اندازاً عمر |

1	احمد غوری	کہانی کا مرکزی کردار (20 سال بعد کا احمد)۔ اب ایک انتہائی امیر، مغرور اور بے حس بزنس ٹائیکون بن چکا ہے جو صرف پیسے کو خدا مانتا ہے۔	32 سال
2	مہتاب	احمد غوری کا دوست اور بزنس پارٹنر۔ جو مادی کامیابیوں پر یقین رکھتا ہے لیکن احمد کے مقابلے میں قدرے کم شدت پسند ہے۔	32 تا 35 سال
3	اکبر میاں	احمد کے دفتر کا بزرگ ملازم (آفس بوائے)۔ ایک سفید پوش، مجبور اور محنتی شخص جو احمد کی بدتمیزی اور تھپڑ کا شکار ہوتا ہے۔	65 سال
4	کلثوم	اکبر میاں کی اہلیہ۔ ایک صابر اور حوصلہ مند خاتون جو مشکل حالات میں بھی اللہ پر توکل اور اپنے شوہر کی ڈھارس بندھاتی ہے۔	55 تا 60 سال
5	اکبر میاں کا بیٹا	اکبر میاں کا جوان بیٹا جو شدید بیمار ہے اور بستر پر پڑا علاج کا منتظر ہے۔ (صرف آواز اور ذکر)	22 تا 25 سال
6	اکبر میاں کی بیٹی	اکبر میاں کی بیٹی، جس کا گھر اجڑ چکا ہے اور وہ اپنے والدین کے ساتھ کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہے۔	25 تا 28 سال
نفسیاتی جائزہ (Character Evolution):
* احمد غوری کا بدلاؤ: پہلی قسط کا مظلوم بچہ اب خود ظالم بن چکا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ بالکل وہی رویہ اپنا رہا ہے جو کبھی اس کے تایا نے اس کے باپ کے ساتھ اپنایا تھا۔
* اکبر میاں کا خاندان: یہ کردار کہانی میں "صبر" اور "دعا" کی نمائندگی کر رہے ہیں، جو احمد غوری کے "تکبر" کے مدِ مقابل کھڑے ہیں۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
قسط نمبر 2: فرعونِ وقت اور ٹوٹا ہوا دل
مصنف فخرشہزاد ایم ایف ایس
منظر 1: غرور کا مینار

شہر کی بلند ترین عمارت کی آخری منزل پر واقع وہ دفتر کسی شاہی محل کا گمان دیتا تھا۔ شیشے کی دیواروں کے پار سارا شہر احمد غوری کے قدموں میں بچھا نظر آتا تھا۔ کمرے میں موجود مہنگی عود کی خوشبو اور ائیر کنڈیشنر کی ٹھنڈک مل کر ایک ایسا سکوت پیدا کر رہے تھے جسے صرف کامیابی کی چاپ ہی توڑ سکتی تھی۔

احمد غوری، جو سیاہ برانڈڈ سوٹ میں ملبوس، اپنی سنہری گھڑی کی چمک میں گم تھا، کسی جدید دور کے دیوتا کی طرح اپنی چمکتی میز پر جھکا ہوا تھا۔

"احمد! مبارک ہو یار۔۔۔" مہتاب نے فائل پر آخری دستخط دیکھتے ہی پرجوش لہجے میں کہا۔ "اس ڈیل کے بعد شہر کی آدھی مارکیٹ ہماری مٹھی میں ہوگی۔ اب لوگ تمھارا نام سن کر کانپیں گے۔"

احمد نے آہستہ سے قلم رکھا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ باہر پھیلے شہر کو دیکھا۔ "نام نہیں مہتاب۔۔۔ لوگ اب ہم سے جینے کی بھیک اور اپنی قسمت مانگیں گے۔ یاد رکھو، اس دنیا میں عزت کمائی نہیں جاتی، خریدی جاتی ہے۔"

مہتاب نے قہقہہ لگایا۔ "بالکل درست! پیسہ ہو تو سجدے مفت میں ملتے ہیں۔"

احمد کی آنکھوں میں ایک عجیب سی وحشت ناچی۔ اس نے سرد لہجے میں کہا، "پیسہ ہی اس دور کا خدا ہے۔ جس کے پاس یہ جادو ہے، کائنات اس کے اشاروں پر ناچتی ہے۔"

اسی لمحے دروازہ ایک نحیف سی دستک کے ساتھ کھلا۔ پینسٹھ سالہ اکبر میاں، جن کی کمر وقت اور حالات کے بوجھ سے جھک چکی تھی، لرزتے ہاتھوں سے چائے کی ٹرے تھامے اندر داخل ہوئے۔ ان کے چہرے کی جھریاں محنت اور تھکن کی داستان سنا رہی تھیں۔

جیسے ہی وہ میز کے قریب پہنچے، ان کی پرانی چپل قالین کے مخملی کنارے سے الجھ گئی۔ ایک سیکنڈ میں اکبر میاں کا توازن بگڑ گیا۔ ٹرے ہاتھ سے چھوٹی، چینی کے نازک کپ فرش پر چکنا چور ہوئے اور گرم چائے کا ریلا احمد غوری کے قیمتی سوٹ اور ان قیمتی فائلوں پر بہہ نکلا۔

کمرے میں موت جیسی خاموشی چھا گئی۔ احمد غوری کے چہرے پر غصے کی لہریں ابھریں۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی؟" احمد غوری کی آواز کسی دھماکے کی طرح گونجی۔ وہ ایک جھٹکے سے کرسی سے اٹھا، اس کے چہرے کی رگیں تن گئی تھیں۔ مہتاب ہکا بکا رہ کر پیچھے ہٹ گیا۔

احمد اکبر میاں کے بالکل قریب پہنچا اور ان کے چہرے کے سامنے انگلی لہراتے ہوئے غرا کر بولا، "اندھے

ہو گئے ہو؟ یا یہ سب جان بوجھ کر کیا ہے؟ جانتے ہو اس سوٹ کی قیمت تمہاری پوری زندگی کی کمائی سے زیادہ ہے؟ یہ فائلیں۔۔۔ یہ کروڑوں کا سودا تھا!"

اکبر میاں کا جسم لرز رہا تھا۔ ان کی آنکھوں میں خوف کے آنسو تیرنے لگے۔ "صاحب جی۔۔۔ معاف کر دیں۔۔۔ بڑھاپا ہے، ہاتھ قابو میں نہیں رہا۔۔۔"

"ہاتھ سے ٹرے نہیں گری، بڈھے! تمہاری قسمت گر گئی ہے۔" احمد نے دانت پیستے ہوئے کہا اور اگلے ہی لمحے ایک زوردار تھپڑ فضا میں لہرایا۔

تڑاخ!

تھپڑ کی گونج پورے کمرے میں سنائی دی۔ اکبر میاں سنبھل نہ سکے اور دیوار سے جا ٹکرائے۔ ان کی پگڑی سر سے ڈھلک گئی۔

"احمد! بس کرو، بوڑھا آدمی ہے، غلطی ہوگئی۔" مہتاب نے مداخلت کرنی چاہی۔

"بوڑھا ہے تو قبرستان جائے یا گھر بیٹھے! یہ دفتر ہے، یہاں میں خیرات بانٹنے کا ادارہ نہیں چلا رہا!" احمد کی چیخوں نے سکون غارت کر دیا تھا۔

اکبر میاں نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں ہاتھ جوڑے، "صاحب۔۔۔ گھر میں جوان بیٹا بستر پر ہے، دوا کے پیسے نہیں ہیں۔۔۔ نوکری چلی گئی تو ہم جیتے جی مر جائیں گے۔۔۔"

احمد غوری نے ایک سرد، فاتحانہ مسکراہٹ اپنے لبوں پر سجائی۔ "مجھے تمہارے دکھوں کی منڈیاں نہیں دیکھنی۔ میرا ایک منٹ تمہاری نسلوں کی کمائی سے مہنگا ہے۔ ابھی اور اسی وقت دفع ہو جاؤ یہاں سے!"

اکبر میاں نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنے آنسو پونچھے اور زمین پر گرے ٹوٹے ہوئے شیشے کے ٹکڑوں کو دیکھنے لگے۔ ان کی آنکھوں میں ایک ایسی لکیر ابھری جو مظلوم کی بددعا بننے والی تھی۔ وہ جاتے جاتے مڑے اور دھیمے لہجے میں بولے، "اللہ دیکھ رہا ہے صاحب۔۔۔"

احمد نے قہقہہ لگایا، "اپنے اللہ سے کہو کہ پہلے تمہیں چائے کا کپ پکڑنا سکھا دے، پھر میرے معاملے میں آئے۔"

اکبر میاں خاموشی سے جھکے، اپنی عزتِ نفس کے ٹکڑے سمیٹے اور بوجھل قدموں سے باہر نکل گئے۔

کمرے میں دوبارہ اے سی کی ٹھنڈک لوٹ آئی تھی، مگر وہاں ایک غریب کی آہوں کا دھواں بھر چکا تھا۔

منظر 2: مٹی کی دیواریں

اکبر میاں کا گھر۔۔۔ جہاں غربت دیواروں سے جھانکتی تھی۔ ٹوٹا ہوا لکڑی کا دروازہ، مٹی کا کچا صحن اور ایک کونے میں دھواں اگلتا چولہا۔ ان کی بیٹی سوکھی روٹی کے ٹکڑے سینک رہی تھی جبکہ کمرے کے اندر سے اِن کے بیٹے کی کھانسی کی آواز کسی آری کی طرح سینے کو چیر رہی تھی۔

میں سے من تک

جب اکبر میاں صحن میں داخل ہوئے تو ان کے قدموں میں وہ پہلے والی ہمت نہ تھی۔ وہ ایک ہارے ہوئے جواری کی طرح دیوار کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے۔
"ابا جان! آپ آ گئے؟ بھائی کی دوا لائے؟" بیٹی نے امید بھری نظروں سے پوچھا۔
اکبر میاں نے کوئی جواب نہ دیا، ان کی نظریں اپنی پرانی چپلوں پر جمی رہیں۔
"ابا۔۔۔ آج ڈاکٹر کے پاس جانا تھا نا۔۔۔" اندر سے بیٹے کی نحیف آواز آئی۔
اکبر میاں کا گلا رندھ گیا۔ وہ سیدھے مصلے پر جا بیٹھے۔ ہاتھ دعا کے لیے اٹھے، مگر لبوں پر تالے پڑ گئے۔ ایک باپ کی بے بسی جب حد سے بڑھ جائے تو وہ لفظوں میں نہیں، سسکیوں میں ڈھل جاتی ہے۔
ان کی اہلیہ، کلثوم، قریب آئیں اور ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ "اکبر میاں۔۔۔ خیریت تو ہے؟ آپ اس طرح رو کیوں رہے ہیں؟"
اکبر میاں نے چہرہ اوپر اٹھایا، آنکھیں سرخ تھیں۔ "کلثوم۔۔۔ میں تھک گیا ہوں۔ میں اس دن مر گیا تھا جب ہماری بیٹی کا بسا بسایا گھر اجڑا تھا، میں اس دن بھی مر گیا تھا جب بیٹے کی دوا کے لیے جیب خالی تھی۔ لیکن آج۔۔۔ آج احمد غوری کے ایک تھپڑ نے میری روح تک فنا کر دی۔ اس نے مجھے انسان نہیں، پیروں تلے روندا جانے والا کوڑا سمجھا ہے۔"
کلثوم کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، مگر اس نے اپنے لہجے کو ٹوٹنے نہ دیا۔ "نہیں اکبر میاں! آپ کوڑا نہیں، اس گھر کی چھت ہیں۔ وہ امیر ہے تو ہو گا، آپ حلال کمانے والے مجاہد ہیں۔ یاد رکھیں، اللہ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں۔"
"اگر یہ دیر بہت لمبی ہو گئی تو کلثوم؟" اکبر میاں نے بے بسی سے پوچھا۔
"تو ہم اپنے صبر کو اس سے بھی لمبا کر لیں گے۔ ہم ٹوٹیں گے نہیں، کیونکہ صبر کرنے والوں کا سہارا وہ رب ہے جس کے پاس ہر ظلم کا حساب لکھا ہے۔"
اندر سے پھر کھانسی کی آواز ابھری۔ اکبر میاں نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے، خود کو سنبھالا اور بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے ایک بار پھر تاریک آسمان کی طرف دیکھا، جہاں ستارے گرد میں چھپے ہوئے تھے۔
"یا اللہ! تو دیکھ رہا ہے نا؟"
کیمرہ آہستہ آہستہ اوپر اٹھتا ہے۔ مٹی کے گھر کی ٹوٹی ہوئی چھت کے سوراخوں سے آسمان صاف نظر آتا ہے، جیسے کوئی غریب کی فریاد سننے کے لیے ہمہ تن گوش ہو۔

قسط نمبر 3 کے کرداروں کی تفصیل درج ذیل ہے:
کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 3: بغاوت اور بددعا)
| نمبر شمار | کردار کا نام | کردار کی نوعیت / تفصیل | اندازاً عمر |

1	احمد غوری	کہانی کا مرکزی کردار۔ جو اب مکمل طور پر مادہ پرستی کی طرف جھک چکا ہے۔ وہ ماضی کے زخموں کو ہتھیار بنا کر اپنے رشتوں کو کچل رہا ہے۔	32 سال
2	صغراں بیگم	احمد کی ماں۔ ایک بااصول اور مذہبی خاتون جو بیٹے کی دولت سے زیادہ اس کے ایمان اور اخلاق کی فکر میں گھل رہی ہیں۔	55 تا 60 سال
3	بشیر ماموں	صغراں بیگم کے بھائی اور احمد کے ماموں۔ جو بیٹی کی شادی کے لیے احمد سے مدد مانگنے آتے ہیں مگر اپنی ماضی کی بے حسی کے طعنے سن کر خالی ہاتھ لوٹتے ہیں۔	55 تا 60 سال
4	12 سالہ احمد (عکس)	احمد کا ماضی کا ورژن۔ جو آئینے کے ذریعے اس کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کی کوشش کرتا ہے (یہ احمد کی داخلی کشمکش کی علامت ہے)۔	12 سال
نفسیاتی جائزہ (Psychological Insight):
* احمد کا المیہ: احمد سمجھتا ہے کہ وہ فاتح ہے، لیکن آئینے کو توڑنا اس بات کی علامت ہے کہ وہ دراصل اپنے آپ سے (اپنے ماضی اور ضمیر سے) ڈرا ہوا ہے۔
* ماں کا کردار: اس قسط میں صغراں بیگم نے صرف ایک ماں نہیں بلکہ ایک "حق کی آواز" کا کردار ادا کیا ہے، جو بیٹے کی محبت میں اس کے گناہوں پر پردہ نہیں ڈالتیں۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
قسط نمبر 3: بغاوت اور بددعا
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس
منظر 1: ماضی کے قرض اور حال کا جبر

باہر آسمان کا سینہ بجلیاں چاک کر رہی تھیں۔ بارش کی تند و تیز بوندیں احمد غوری کی عالیشان حویلی کے سفید سنگِ مرمر سے ٹکرا کر ایک نوحہ سا پیدا کر رہی تھیں۔ احمد کی سیاہ چمکتی گاڑی جیسے ہی پورچ میں رکی، سیکیورٹی گارڈز نے لپک کر چھتریاں تان لیں۔ احمد، اپنے کوٹ کے کالر درست کرتا ہوا، فاتحانہ انداز میں اندر داخل ہوا۔

ڈرائنگ روم کے شاہانہ ماحول میں ایک عجیب سی گھٹن تھی۔ صغراں بیگم صوفے پر ساکت بیٹھی تھیں، جبکہ ان کے سامنے بشیر ماموں سر جھکائے بیٹھے تھے۔ ان کی انگلیاں اضطراب میں ایک دوسرے میں پھنسی ہوئی تھیں۔

"باجی۔۔۔ میں مانتا ہوں کہ احمد اب بہت بڑا آدمی بن گیا ہے،" بشیر ماموں کی آواز میں لرزش تھی، "مگر ہم تو اپنے ہیں۔ بیٹی کی رخصتی سر پر ہے اور سفید پوشی کا بھرم رکھنا مشکل ہو رہا ہے۔ اگر احمد تھوڑی سی مدد کر دے تو میری عزت بچ جائے گی۔۔۔"

صغراں بیگم نے ایک ٹھنڈی آہ بھری۔ "بشیر! میرا احمد اب وہ نہیں رہا جسے تم جانتے تھے۔ اس کے اور ہمارے درمیان اب دولت کی ایک اونچی دیوار کھڑی ہے۔ اس سے بات کرنا اب شیشے پر ننگے پاؤں چلنے کے مترادف ہے۔"

اسی لمحے دروازہ ایک جھٹکے سے کھلا۔ احمد غوری چوکھٹ پر کھڑا تھا، اس کی آنکھوں میں بارش کی ٹھنڈک نہیں بلکہ کسی دہکتے آتش فشاں کی تپش تھی۔

"بات کرنا آسان نہیں۔۔۔ یا مفت کے پیسے اینٹھنا آسان نہیں؟" احمد کی آواز کسی چابک کی طرح فضا میں لہرائی۔

بشیر ماموں ہڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔ "احمد پتر۔۔۔ میں تو بس۔۔۔"

"پتر؟" احمد نے ایک زہریلی ہنسی بکھری۔ "آج میں پتر بن گیا؟ بیس سال پہلے جب میں آپ کے دروازے پر ایڑیاں رگڑ رہا تھا، تب میں کیا تھا؟ صرف ایک بوجھ؟"

"احمد! تمیز سے بات کرو، یہ تمہارے ماموں ہیں،" صغراں بیگم نے دبے ہوئے غصے سے کہا۔

"ماموں؟ ماں! رشتے خون سے ہوتے ہیں، لیکن اہمیت وقت طے کرتا ہے۔" احمد آگے بڑھا اور بشیر ماموں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا، "یاد ہے وہ رات؟ جب ابا گھر کے ٹھنڈے فرش پر دم توڑ رہے تھے

اور میں آپ کی ڈیوڑھی پر کھڑا تھا؟ آپ نے کیا کہا تھا؟ 'احمد! میرے پاس پھوٹی کوڑی نہیں ہے'۔ آج وہی جملہ میرا ہے بشیر صاحب! میرے پاس آپ کے لیے ایک دھیلا بھی نہیں ہے۔ سب کچھ 'انویسٹمنٹ' میں لگا ہوا ہے۔"

بشیر ماموں کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ "بیٹا! اتنا سخت نہ بنو، وقت بدلتے دیر نہیں لگتی، دنیا گول ہے۔"

"ہاں! دنیا گول ہے اسی لیے آج آپ نیچے ہیں اور میں اوپر!" احمد نے دھاڑ کر کہا۔ "یہ لوگ خوشی میں رشتہ دار نہیں ہوتے ماں، یہ صرف ضرورت کے وقت اپنی قبروں سے باہر نکلتے ہیں۔"

بشیر ماموں نے لرزتے ہاتھوں سے اپنی چادر سنبھالی۔ "اللہ تمہیں سلامت رکھے بیٹا۔۔۔ میں بھیک نہیں، سہارا مانگنے آیا تھا۔ لیکن اب سمجھ گیا ہوں کہ پتھروں سے سہارا نہیں مانگا جاتا۔" وہ بوجھل قدموں سے باہر بارش کی نذر ہو گئے۔

منظر 2: سجدۂ بغاوت

دروازہ بند ہوتے ہی کمرے میں وہ خاموشی چھا گئی جو طوفان سے پہلے ہوتی ہے۔

چٹاخ!

صغراں بیگم کا ہاتھ پوری قوت سے احمد کے گال پر پڑا۔ احمد کا سر ایک طرف جھک گیا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"یہ میرا بیٹا نہیں ہو سکتا!" صغراں بیگم کی آواز سسکیوں اور غصے کا ملغوبہ تھی۔ "میرا احمد تو وہ تھا جو بارش میں بھیگ کر زخمی کبوتروں کو سینے سے لگا لیتا تھا۔ تم کیا بن گئے ہو احمد؟"

احمد نے اپنے دہکتے گال پر ہاتھ رکھا اور ایک تلخ مسکراہٹ کے ساتھ بولا، "مجھے دنیا نے بنایا ہے ماں! جس احمد کا آپ ذکر کر رہی ہیں، وہ اس رات مر گیا تھا جب اسے بھوک اور تذلیل کا کفن پہنایا گیا تھا۔ میں نے انسانیت کا جنازہ اٹھتے دیکھا ہے!"

"تو کیا بدلہ لینا ہی زندگی ہے؟"

"نہیں! جینے کے لیے لڑنا پڑتا ہے، اور میں لڑ رہا ہوں!"

"لڑتے لڑتے تم نے اپنا خدا کھو دیا احمد!" صغراں بیگم نے چلا کر کہا۔

"خدا؟" احمد غوری کے قہقہے نے دیواروں کو ہلا دیا۔ "کدھر تھا وہ خدا جب ابا کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں؟ میں مسجد کے سنگِ مرمر پر سر پٹخ رہا تھا ماں! میں نے اپنی معصومیت کی ہر حد پار کر دی تھی کہ شاید کوئی معجزہ ہو جائے، مگر اس کی رحمت کہاں تھی؟ آج سن لیں ماں۔۔۔ میرا پیسہ ہی میرا خدا ہے۔ میری طاقت ہی میرا سجدہ ہے!"

صغراں بیگم کانپتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر پیچھے ہٹیں۔ "خدا سے ڈر احمد! وہ جب چھینتا ہے تو نشان تک باقی

نہیں چھوڑتا۔ وہ غرور کے میناروں کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔"
"وہ جو چھین سکتا تھا، پہلے ہی چھین چکا۔ اب اس کے پاس چھیننے کو کچھ نہیں بچا!" احمد نے تکبر سے کہا۔
صغراں بیگم نے آسمان کی طرف نظریں اٹھائیں، ان کے آنسو مصلے پر گر رہے تھے۔ "یا رب! میرے بیٹے کو ہدایت دے۔۔۔ اس کا یہ غرور توڑ دے جو اسے فرعون بنا رہا ہے۔ اس سے وہ سب کچھ لے لے جسے یہ سب سے زیادہ چاہتا ہے، تاکہ اسے تیری ہستی کا احساس ہو جائے۔۔۔ مگر اسے تباہ نہ کرنا، اسے بس راہ پر لے آنا۔"
احمد نے طنزیہ نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔ "بددعا دے رہی ہیں؟"
"نہیں احمد۔۔۔ میں دعا دے رہی ہوں کہ تجھے تیرا رب یاد آ جائے۔"
منظر 3: بکھرا ہوا عکس
احمد اپنے کمرے میں داخل ہوا اور دروازہ اتنی زور سے بند کیا کہ آواز پورے دالان میں گونجی۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا ہوا، جہاں اس کا اپنا عکس کسی حاکم کی طرح کھڑا تھا۔
"تو کمزور نہیں ہے احمد۔۔۔ تو فاتح ہے،" اس نے خود سے سرگوشی کی۔
اچانک بجلی کڑکی۔ آئینے کے ایک گوشے میں اسے بارہ سالہ احمد نظر آیا۔ وہ چھوٹا بچہ بارش میں بھیگا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوف تھا۔
"مجھے ڈر لگ رہا ہے احمد۔۔۔ کیا ابا مر جائیں گے؟" اس ننھے سائے نے معصومیت سے پوچھا۔
"چپ ہو جاؤ!" احمد نے آنکھیں بند کر کے چلایا۔
"تم بدل گئے ہو۔۔۔ تم وہ نہیں رہے،" عکس نے پیچھا نہ چھوڑا۔
احمد نے ایک وحشیانہ غصے کے ساتھ اپنا بھاری گھونسا آئینے پر دے مارا۔ شیشہ چکنا چور ہو گیا، اور ہر ٹکڑے میں احمد کا چہرہ تقسیم ہو کر بکھر گیا۔
دوسری طرف، صغراں بیگم سجدے میں گر کر دہائیاں دے رہی تھیں۔ باہر بادلوں کی گرج اور کمرے میں ٹوٹے ہوئے شیشے کی خاموشی ایک نئی داستان کا پیش خیمہ تھی۔

کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 4: ہوس کی دستک)
| نمبر شمار | کردار کا نام / پہچان | کردار کی نوعیت | اندازۂ عمر |

1	احمد غوری	مرکزی منفی کردار (سیٹھ)	32 سال
2	اقراء	کہانی کی ہیروئن (معصوم اور باحیا)	20 تا 22 سال
3	حارث	اقراء کا منگیتر (غیرت مند نوجوان)	24 تا 26 سال
4	سبحان فقیر	درویش صفت بزرگ (صاحبِ بصیرت)	65 تا 70 سال
5	شیر خان	احمد غوری کا خاص کارندہ	40 تا 45 سال
6	حارث کے والد	بزرگ جو پولیس کو کال کرنے کا کہتے ہیں	55 تا 60 سال
7	حارث کی والدہ	حارث کی ماں (جسے احمد چائے کا کہتا ہے)	50 تا 55 سال
8	اقراء کا باپ	غیور اور سفید پوش باپ	55 تا 60 سال
9	ڈرائیور	احمد غوری کا ڈرائیور	30 تا 35 سال
10	پہلا نوجوان	مزار پر سوال پوچھنے والا طالب علم	18 تا 20 سال
11	دوسرا نوجوان	مزار پر نفلوں اور رب کے بارے میں پوچھنے والا	20 تا 22 سال
12	ثنا	ہاسٹل کی طالبہ (جذباتی لڑکی)	20 تا 21 سال
13	بلال	مکار اور دھوکے باز نوجوان	23 تا 25 سال
14	انسپکٹر	بدعنوان پولیس افسر	45 تا 50 سال

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
قسط 4 — "ہوس کی دستک"
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس
منظر 1: شکاری کی نظر
شہر کی بلند و بالا عمارتوں پر سورج کی زرد دھوپ کسی بوجھ کی طرح پڑ رہی تھی۔ سڑکوں پر زندگی کا شور ابھی انگڑائیاں لے رہا تھا کہ ایک چمکتی ہوئی سیاہ سیڈان سڑک کے سینے کو چیرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ گاڑی کے اندر کی فضا باہر کی دنیا سے بالکل مختلف تھی—مہنگی پرفیوم کی مسحور کن خوشبو، مدھم موسیقی، اور لیدر کی نشست پر نیم دراز احمد غوری، جس کی آدھی بند آنکھیں کسی گہری سوچ کا پتا دیتی تھیں۔
اچانک گاڑی کے ٹائروں نے سڑک کے ساتھ رگڑ کھائی اور رفتار دھیمی ہو گئی۔ احمد کی نظریں فٹ پاتھ پر جمی تھیں۔ وہاں ایک لڑکی کھڑی تھی—سادہ لباس، ہاتھ میں ایک معمولی سا بیگ، اور چہرے پر وہ معصوم انتظار جو صرف ان لوگوں کے حصے میں آتا ہے جنہیں ابھی دنیا کی مکاریوں نے چھوا نہ ہو۔
احمد کے سنگلاخ لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ رینگنے لگی۔ اس نے برابر میں بیٹھے ڈرائیور کی موجودگی کو نظر انداز کرتے ہوئے زیرِ لب کہا:
"کچھ چہرے دنیا کی بھیڑ میں کھونے کے لیے نہیں بنتے۔۔
"جی صاحب؟" ڈرائیور نے عقبی آئینے سے سہم کر پوچھا۔
"گاڑی رینگنی چاہیے..." احمد کا لہجہ برف جیسا ٹھنڈا تھا۔
اس نے فون نکالا، ایک کلک کیا اور تصویر کو زوم کر کے لڑکی کی آنکھوں میں جھانکنے لگا۔ "معصومیت... یہ اس دنیا کی سب سے مہنگی ترین چیز ہے، جس کا میری زندگی میں آنے کا وقت بہت قریب ہے۔"
منظر 2: سگار کا دھواں اور سیاہ فیصلے
آفس کے کمرے میں سگار کا نیلا دھواں رقص کر رہا تھا۔ سامنے شیر خان سر جھکائے کھڑا تھا، وہی شیر خان جو باہر کی دنیا کے لیے ایک خوفناک نام تھا، مگر احمد غوری کے سامنے اس کی حیثیت محض ایک کٹھ پتلی کی تھی۔
احمد نے فون میز پر اس کی طرف سرکا دیا۔ تصویر وہی لڑکی کی تھی۔
"یہ لڑکی مجھے چاہیے۔" احمد کے دو ٹوک جملے نے کمرے کی ہوا بوجھل کر دی۔
شیر خان نے تصویر دیکھی اور ہچکچایا، "صاحب... یہ کوئی عام ماڈل یا بازار کی زینت نہیں لگتی۔"
احمد کرسی پر پیچھے کی طرف جھکا اور اپنی سرد نظریں اس پر گاڑ دیں، "مجھے اس کا نام، شجرہ نسب، اس کی ہنسی کی وجہ اور اس کے آنسوؤں کا سبب... سب کچھ آج شام تک میز پر چاہیے۔ میں یہ جاننا چاہتا ہوں

کہ وہ کس کے لیے سانس لیتی ہے۔"
"اور صاحب... اگر وہ کسی کے نام ہو چکی ہو؟ میرا مطلب ہے، اگر منگنی شدہ ہوئی تو؟" شیر خان نے ہمت کر کے پوچھا۔
احمد کرسی سے اٹھا اور دھیرے دھیرے چلتا ہوا شیر خان کے بالکل قریب آ کھڑا ہوا۔ سگار کا دھواں شیر خان کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے بولا: "تو منگنی ٹوٹ جائے گی۔"
"اور اگر وہ شادی شدہ ہوئی تو؟"
احمد کے چہرے پر ایک بھیانک اطمینان چھا گیا، "پھر وہ بیوہ ہو جائے گی... یا پھر اس کا شوہر رنڈوا۔ انتخاب میرا نہیں، تقدیر کا ہوگا۔"
منظر 3: محبت کے سہانے خواب
بازار کی چہل پہل میں اقراء بار بار اپنے فون کی سکرین روشن کر کے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ماتھے پر پسینے کے ننھے قطرے اور آنکھوں میں بے چینی تھی۔ "یا اللہ! یہ حارث بھی نا... کبھی وقت کی پابندی نہیں سیکھے گا۔"
ابھی اس نے سوچا ہی تھا کہ ایک بائیک شور کرتی ہوئی اس کے پاس رکی۔ حارث نے ہیلمٹ اتارتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا، "حاضر ہوں ملکہِ معظمہ! اب کیا حکم ہے؟ جان کی امان پاؤں تو تاخیر کی وجہ بیان کروں؟"
"سزا یہ ہے کہ تم میری امی کو جواب دو گے جن کی دس کالیں آ چکی ہیں،" اقراء نے بناوٹی غصے سے کہا۔
حارث کا لہجہ اچانک سنجیدہ ہو گیا، اس نے اقراء کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا، "اقراء، بس چند دن اور... پھر تمہیں کسی کی کال کا ڈر نہیں ہوگا۔ تم میرے گھر میں، میری حفاظت میں ہوگی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے، آج شام امی تمہارے گھر آ رہی ہیں۔"
اقراء کے چہرے پر حیا کی لالی چھا گئی، مگر اسے خبر نہ تھی کہ چند گز کے فاصلے پر کھڑی کالی گاڑی کے کالے شیشوں کے پیچھے سے شیر خان ان کی خوشیوں کی عمر ناپ رہا تھا۔
منظر 4: دربارِ حق کی صدا
ملتان شہر واقع دربار شاہ شمس تبریز تھا، جہاں لوبان کا دھواں اور سکون کی خوشبو ایک ساتھ بستی تھی۔
درویش سبحان فقیر مزار کے صحن میں نیم وا آنکھوں کے ساتھ بیٹھا تھا کہ ایک نوجوان نے سوال کیا:
"بابا! بندہ اللہ کا کب بنتا ہے؟"
فقیر نے ایک لمبا سانس لیا اور گرد اڑاتی ہوا کو دیکھنے لگا، "پتر! بندہ اللہ کا تب بنتا ہے جب وہ اپنے آپ کا نہیں رہتا۔ جب 'میں' مرتی ہے، تب 'وہ' ملتا ہے۔"

"مگر بابا، ہم تو اتنی عبادتیں کرتے ہیں، نعتیں پڑھتے ہیں، چراغ جلاتے ہیں... پھر رب کیوں نہیں ملتا؟" ایک اور نے پوچھا۔

فقیر مسکرایا، مگر اس مسکراہٹ میں درد تھا۔ "اللہ کو تمہاری اونچی آوازیں نہیں پہنچتیں، صاحبِ علم! اللہ کو تمہاری 'حالت' پہنچتی ہے۔ تم مزاروں پر تو گھی کے چراغ جلاتے ہو، مگر پڑوس میں بجھے ہوئے چولہے کی فکر نہیں کرتے۔ یاد رکھو، کسی انسان کی آنکھ کا آنسو پونچھنا ہزاروں نفلوں سے افضل ہے۔ جس دن تم نے انسان کو تکلیف دینا چھوڑ دی، تمہیں خدا کو ڈھونڈنا نہیں پڑے گا... وہ تمہیں ڈھونڈ لے گا۔"

منظر 5: ہوس کی یلغار

رات کے وقت اقراء کے گھر میں خوشیوں کا سماں تھا۔ حارث کے گھر والوں کی آمد کی تیاری ہو رہی تھی کہ اچانک باہر زوردار بریکوں کی آواز گونجی۔ دروازہ کسی دھماکے سے کھلا اور احمد غوری اپنے مسلح محافظوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔

گھر کے افراد سکتے میں آگئے۔ حارث، جو وہیں موجود تھا، غصے سے آگے بڑھا، "کون ہو تم؟ اور یہ بدتمیزی کیا ہے؟"

احمد نے حارث کو اس طرح دیکھا جیسے کوئی ہاتھی کسی چیونٹی کو دیکھتا ہے۔ "میں وہ ہوں، جس کے بعد تمہاری زندگی میں سوالوں کی جگہ صرف خاموشی رہ جائے گی۔"

اقراء کے باپ نے لرزتی آواز میں مگر ہمت مجتمع کر کے کہا، "یہ میرا گھر ہے، باہر نکلو یہاں سے!"

احمد کی نظریں اب اقراء پر مرکوز تھیں، جو خوف سے دیوار کے ساتھ لگی کھڑی تھی۔ "میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"میں کوئی بازار میں بکنے والی چیز نہیں ہوں!" اقراء کی آواز میں نفرت اور خوف کا امتزاج تھا۔

احمد غوری کے ہونٹوں پر وہی سفاک مسکراہٹ واپس آئی، "غلط... تم وہ نایاب شے ہو جو اب میری پسند بن چکی ہے۔ اور احمد غوری کو جو پسند آ جائے، وہ اس کی تقدیر بن جاتا ہے۔"

حارث نے احمد کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی، "ہاتھ مت لگانا اسے!" مگر گارڈز نے پلک جھپکتے میں اسے دبوچ لیا۔

احمد آگے بڑھا اور اقراء کے عین سامنے ہو کر کھا تم صرف غوری کی ہو غوری کی بس

بھائی جان آپ پولس کو کال لگائیں حارث کا باپ

ہاں ضرور انہیں بھی آنا چاہیے غوری کی پسند دیکھنے احمد نے کہا

اور ہاں ساسوں ماں کی جب تک پولیس آتی ہے آپ میرے لیے چائے کی بنا دو یہ کہتے ہوئے آرام سے سوفے پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔۔۔

میں سے من تک

منظر 6: دھوکے کی دھند
اسی رات، ہاسٹل کی چھت پر ثنا موبائل کان سے لگائے کھڑی تھی۔ نیچے گلی میں بلال اپنی بائیک پر ٹیک لگائے کھڑا تھا۔
"بلال، مجھے ڈر لگ رہا ہے... اگر وارڈن کو پتا چل گیا تو؟" ثنا کی آواز کانپ رہی تھی۔
"ثنا، کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں؟ محبت میں اگر خوف ہو تو وہ محبت نہیں ہوتی۔ ہم بس ایک فلم دیکھنے جا رہے ہیں، میں تمہیں فورا واپس چھوڑ دوں گا۔" بلال کی آواز میں وہ مٹھاس تھی جو زہر کو بھی شہد بنا دیتی ہے۔
ثنا، جو بلال کے خوابوں کے حصار میں تھی، دبے قدموں باہر نکلی۔ بائیک اسٹارٹ ہوئی اور وہ دونوں اندھیرے راستوں پر نکل گئے۔ ثنا کو لگ رہا تھا وہ آزادی کی طرف جا رہی ہے، مگر اسے کیا معلوم تھا کہ کچھ راستے صرف واپسی کا راستہ بند کرنے کے لیے بنے ہوتے ہیں۔
منظر 7: بکا ہوا قانون اور آخری وار
پولیس کا انسپکٹر جب موقع پر پہنچا تو احمد غوری کو دیکھ کر اس کا لہجہ مومی ہو گیا۔ "اوہ، غوری صاحب! آپ یہاں؟"
احمد نے خاموشی سے ایک بھاری لفافہ انسپکٹر کی جیب میں ڈالا۔ انسپکٹر نے مڑ کر سپاہیوں کو حکم دیا، "چلو بھئی، یہ خاندانی معاملہ ہے، کوئی مداخلت نہیں ہوگی۔"
حارث دھاڑا، "قانون بک گیا ہے! کیا اس ملک میں کوئی انصاف نہیں؟"
احمد نے جاتے جاتے مڑ کر اسے دیکھا، "قانون کبھی بکتا نہیں ہے میاں... قانون ہمیشہ 'کسی کا' ہوتا ہے۔ اور آج یہ میرا ہے۔"
"خدا سے ڈرو غوری!" حارث کی آخری دہائی تھی۔
احمد اس کے قریب آیا اور سرگوشی کی، "خدا کو میں نے نہیں چھوڑا... بس اسے نظر انداز کرنا سیکھ لیا ہے۔" اس نے اقراء کی طرف دیکھا جس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ "یاد رکھنا اقراء، ہر مزاحمت کی ایک مدت ہوتی ہے اور ہر لڑکی کی ایک قیمت۔ میں دونوں کا انتظار کروں گا۔"
احمد غوری کے قدموں کی چاپ اور گاڑیوں کا شور دور ہوتا گیا، مگر اقراء کے گھر میں وہ خاموشی چھا گئی جو طوفان کے گزر جانے کے بعد قبرستانوں کا مقدر ہوتی ہے۔۔۔

کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 5: مجبوری کی نیلامی)
| نمبر شمار | کردار کا نام / پہچان | کردار کی نوعیت / تفصیل | اندازۂ عمر |

1	احمد غوری	مرکزی منفی کردار۔ جو اب ہوس اور انا کی خاطر کسی کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کر رہا۔	32 سال
2	اقراء	کہانی کی بہادر ہیروئن۔ جس نے دولت کو ٹھکرا کر اپنی محبت اور عزتِ نفس کا سودا کرنے سے انکار کر دیا ہے۔	20 تا 22 سال
3	حارث	اقراء کا منگیتر۔ جو احمد کے حادثے کا شکار ہو کر زندگی اور موت کی کشمکش میں ہے۔	24 تا 26 سال
4	ثنا	ہاسٹل کی طالبہ۔ جو وارڈن کی ڈانٹ اور اپنی غلطیوں کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے۔	20 تا 21 سال
5	وارڈن (ہاسٹل)	ایک سخت گیر خاتون، جو ثنا کی رات کی سرگرمیوں پر اسے سخت تنبیہ کرتی ہے۔	45 تا 50 سال
6	شیر خان	احمد کا کارندہ۔ جس نے حارث کے حادثے کا منصوبہ مکمل کر کے اسے "چلنے کے قابل" نہیں چھوڑا۔	40 تا 45 سال
7	صغراں بی بی	احمد کی ماں۔ جو اپنے بیٹے کے بدلتے ہوئے وحشیانہ روپ پر پریشان اور اسے خدا سے ڈرا رہی ہیں۔	55 تا 60 سال
8	مہتاب	احمد کا بزنس پارٹنر اور دوست (جو بیرونِ ملک سے پاکستان واپسی کی تیاری کر رہا ہے)۔	32 تا 35 سال
9	بلال	مکار نوجوان۔ جو قرض خواہوں کے ڈر سے ثنا کو اپنی ڈھال بنانے کی منصوبہ بندی کر رہا ہے۔	23 تا 25 سال
10	ماجا	ایک غنڈہ / قرض خواہ، جو بلال سے اپنے پیسے وصول کرنے کے لیے اسے دھمکا رہا ہے۔	35 تا 40 سال
11	راجو	ماجا کا ساتھی، جو بلال کو چاقو کی نوک پر ڈراتا ہے۔	30 تا 35 سال
12	اقراء کا باپ	ایک مجبور باپ، جو ہسپتال میں اپنے داماد (حارث) کی زندگی کے لیے پریشان ہے۔	55 تا 60 سال
13	ڈاکٹر	ہسپتال کا معالج، جو حارث کے آپریشن کے لیے رقم کا تقاضا کرتا ہے۔	45 تا 50 سال
14	ٹرک ڈرائیور	(پسِ منظر کا کردار) جس نے شیر خان کے کہنے پر حارث کو ٹکر ماری۔	30 تا 40 سال
نفسیاتی جائزہ (Character Progress):
* احمد غوری کی پہلی شکست: پہلی بار احمد غوری کو احساس ہوا ہے کہ کائنات میں ایسی چیزیں بھی ہیں (جیسے اقراء کا ایمان) جنہیں "چیک بک" سے نہیں خریدا جا سکتا۔
* بلال کی بے بسی: بلال کا کردار اب ایک خطرناک موڑ پر ہے، جہاں اپنی جان بچانے کے لیے وہ ثنا کو کسی بڑی مشکل میں ڈال سکتا ہے۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
قسط 5 — "مجبوری کی نیلامی"
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس
منظر 1: ہاسٹل کی زندگی اور ثنا

صبح کی پہلی کرن ہاسٹل کے کمرے کی کھڑکی سے اندر آتی ہے، ثنا مدہوش نید میں ہوتی ہے۔ وارڈن کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا جب اس نے کمرے کا دروازہ زور سے پیٹا۔

"اٹھ جاؤ شہزادی صاحبہ! یا ابھی تک خوابوں کی وادیوں میں ہی بھٹک رہی ہو؟"

ثنا نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں، "اوہ... سوری میم، پتا ہی نہیں چلا، صبح جب ہوئی آنکھ گہری لگ گئی تھی شاید۔"

وارڈن نے طنزیہ قہقہہ لگایا، "آنکھیں تو وہاں لگی ہیں جہاں تم آدھی رات کو مٹر گشت کرنے جاتی ہو۔ کیا سمجھ رکھا ہے تم نے؟ یہ ہاسٹل ہے، تمہارے باپ کا گھر نہیں!"

ثنا کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ گیا، "میم، وہ... میں وہ..."

وارڈن اس کے قریب آئی اور دانت پیستے ہوئے بولی، "مجھے یہ 'وہ وہ' کی گردان نہ سناؤ۔ تمہیں اپنے ماں دودھ اور باپ کی سفید داڑھی کا خیال نہ سہی، ہمارے ہاسٹل کی ساکھ کا تو لحاظ کرو۔ ایک مہینہ رہ گیا ہے تمہاری تعلیم میں، بس یہ دن شرافت سے کاٹ لو، پھر باہر جا کر جو مرضی سیاپا کرنا، مجھے کوئی سروکار نہیں۔"

وارڈن پیر پٹختی باہر نکل گئی، اور ثنا وہیں بستر پر ڈھیر ہو گئی۔ اسے بلال کا وہ جملہ یاد آیا: "محبت جرم نہیں ہوتی"، مگر اسے آج یہ محبت دنیا کا سب سے بڑا گناہ لگ رہی تھی۔

منظر 2: ٹکراؤ — انا بمقابلہ غیرت

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ حارث کیفے کے باہر اپنی بائیک کے پاس کھڑا تھا کہ فضا میں ٹائروں کی چنگھاڑ گونجی۔ احمد غوری کی بلیک سیڈان ایک قاتلانہ وقار کے ساتھ رکی۔ احمد گاڑی سے اترا—آنکھوں پر سیاہ چشمہ، چہرے پر وہ ہولناک سکون جو طوفان کی آمد کا پتا دیتا ہے۔

"سنو ہیرو!" احمد کی آواز میں بلا کا اعتماد تھا۔

حارث کے ماتھے پر تیوری آئی، "تم؟ یہاں کیا لینے آئے ہو؟"

احمد نے چشمہ اتارا اور حارث کی آنکھوں میں جھانکا، "احمد غوری کو ابھی تک یاد رکھا ہے، اچھی بات ہے۔ تم بہادر لڑکے لگتے ہو، اسی لیے میں نے سوچا پہلے تمہیں 'پیشکش' کروں۔"

حارث نے نفرت سے تھوکا، "مجھے تم جیسے لوگوں سے کوئی بات نہیں کرنی۔"

میں سے من تک

احمد دو قدم قریب آیا، اس کا لہجہ اب شہد کی طرح میٹھا مگر زہریلا تھا، "بات تمہیں نہیں... تمہاری قسمت کو کرنی ہے۔ اقراء کو چھوڑ دو، وہ تمہارے نصیب میں نہیں، میری ضرورت ہے۔"
"وہ کوئی بازار میں بکنے والی چیز نہیں ہے غوری! میری منگیتر ہے وہ،" حارث نے دھاڑ کر کہا۔
احمد نے سرد مہری سے کہا، "تھی... اب نہیں رہی۔ دیکھو لڑکے، میں تمہیں وہ قیمت دے سکتا ہوں جو تمہاری سات نسلوں نے خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوگی۔ مان جاؤ، اپنی غربت کا سودا کر لو۔"
حارث نے احمد کا کالر پکڑنے کی کوشش کی، "میری غیرت کا کوئی ریٹ نہیں، غوری! تم جیسے لوگ بت خرید سکتے ہیں، ضمیر نہیں۔"
احمد نے نہایت آرام سے حارث کا ہاتھ جھٹکا اور اس کے قریب ہو کر سرگوشی کی، "جس چیز کا ریٹ نہیں ہوتا، اسے مفت میں برباد کر دیا جاتا ہے۔ کھیل تم نے منتخب کیا ہے، اب انجام بھی تم ہی بھگتو گے۔"
منظر 3: مختصر جھلک: اقراء کا گھر
اقراء کھڑکی کے پاس کھڑی ہے۔
اقراء (آہستہ خود سے):
"یا اللہ سب ٹھیک رہے..."
منظر 4: سازش کی دھند
احمد غوری کے دفتر میں سگار کا دھواں چھت سے باتیں کر رہا تھا۔ اس نے میز پر رکھے ایک پیپر ویٹ کو گھمایا اور شیر خان کی طرف دیکھا۔
"لڑکے میں انا زیادہ ہے، شیر خان۔ اسے دولت کی زبان سمجھ نہیں آئی۔"
شیر خان نے سر جھکایا، "پھر کیا حکم ہے صاحب؟"
احمد نے سگار کا ایک لمبا کش لیا اور دھواں فضا میں اچھال دیا، "اب اسے قیمت کی دوسری شکل سمجھانی ہوگی۔ ایک حادثہ... بالکل صاف ستھرا۔ جان نہیں جانی چاہیے، بس وہ اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ رہے۔ جو راستہ نہیں چھوڑتے، انہیں چلنے کے قابل نہیں چھوڑنا چاہیے۔"
"سمجھ گیا صاحب،" شیر خان کے لہجے میں درندگی تھی۔
احمد نے اضافہ کیا، "یاد رکھنا، مجھے لاشوں سے رغبت نہیں۔ میں زندہ لوگوں کو توڑ کر ان کے اندر کی خودداری کو مرتا ہوا دیکھنے کا شوقین ہوں۔"
منظر 5: بلال کی دلدل
دوسری طرف، بلال ایک تاریک گلی میں ماجا اور راجو کے سامنے کھڑا پسینے پونچھ رہا تھا۔
"تین مہینے گزر گئے بلال میاں! ہمارے پیسے کہاں ہیں؟" ماجا نے اس کا گریبان کھینچا۔

میں سے من تک

بلال گڑگڑایا، "بس چند دن اور... میں ایک بڑے کام میں لگا ہوا ہوں۔ بس ایک ڈیڑھ مہینہ دے دیں۔"
راجو نے چاقو کی نوک بلال کے پیٹ پر ٹکا دی، "دیکھو ابے! اگر اس بار کام نہ ہوا، تو تیرے گردے اور آنکھیں بیچ کر اپنا قرض وصول کریں گے۔ یاد رکھنا، یہ آخری مہلت ہے۔"
بلال نے ہانپتے ہوئے سر ہلایا۔ وہ جانتا تھا کہ ثنا ہی اس کی وہ 'انشورنس' ہے جو اسے اس دلدل سے نکال سکتی ہے۔
منظر 6: لہو میں ڈوبی سڑک
رات کی تاریکی، تیز بارش اور بائیک کی ہیڈلائٹ۔ حارث نجی راستے پر گھر کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک پیچھے سے ایک تیز رفتار ٹرک کسی بھوکے درندے کی طرح نمودار ہوا۔
چیں... دھاڑ!
ایک زوردار ٹکر، بائیک کے پرخچے اڑ گئے اور حارث کا جسم کئی فٹ دور سڑک پر جا گرا۔ بارش کا پانی اس کے خون سے سرخ ہونے لگا۔
منظر 7: ممتا کی پکار اور ہوس کی ضد
احمد کال پر مہتاب سے بات کرتے ہوئے ہاں سناؤ جیوویسٹا کمپنی کے ساتھ ڈیل ہوگئی کیا۔۔
ہاں تو کیوں نہ ہوتی غوری کی ڈیل کوئی ریجکٹ کرسکتا ہے بھلا مہتاب مسکراتے ہوئے ۔۔۔
اور ہاں خبر ملی ہے کوئی لڑکی پسند آ گیا ہے میرے یار کو مہتاب کہتا ہے ۔۔۔
ہاں مہتاب پسند کیا اب تو میرے قدموں میں ہوگی بہت سمجھایا تھا نہیں مانے تو شیر خان کے حوالے کر دیا اچھا یہ بتا تو کب نکل رہا ہے واپس پاکستان کے لیے احمد غوری ۔۔۔
بس 10 منٹ باد فلائٹ ہے میری مہتاب ۔۔۔
ٹھیک ہے رکھتا ہوں احمد غوری ۔۔۔
اسی وقت اس کی ماں، صغراں بی بی کمرے میں داخل ہوئیں۔ ان کے چہرے پر کرب تھا۔
"احمد! یہ سب کیا کر رہے ہو تم؟" ان کی آواز میں لرزش تھی۔
"کچھ نہیں ماں، بس آپ کی بہو لانے کی تیاری کر رہا ہوں،" احمد نے لاپروائی سے کہا۔
صغراں بی بی نے اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑا، "تم حیوان بن رہے ہو احمد! لوگوں کی جانوں کے دشمن بن گئے ہو۔ کیا ظلم کی بنیاد پر محبت کی عمارت کھڑی کرو گے؟"
احمد نے سرد لہجے میں جواب دیا، "یہ محبت نہیں ہے ماں... یہ ملکیت ہے! اور غوری اپنی ملکیت کے لیے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔"
"اللہ کی پکڑ بہت سخت ہوتی ہے بیٹا، ڈر جا اس وقت سے جب توبہ کی مہلت بھی نہیں ملے گی،" ماں نے

روتے ہوئے کہا۔
"میں نے قسمت کی گردن دبا رکھی ہے ماں، مجھے کسی پکڑ کا ڈر نہیں،" احمد نے غرور سے جواب دیا۔
منظر 8: آخری معرکہ — ایمان بمقابلہ مال و زر
ہسپتال کی راہداریوں میں صفِ ماتم بچھی تھی۔ ڈاکٹر نے دو ٹوک کہہ دیا تھا، "دس لاکھ روپے ابھی جمع کروائیں، ورنہ ٹانگیں کاٹنی پڑیں گی۔" اقراء کے باپ کی آنکھیں خالی ہو چکی تھیں۔
وہی احمد غوری ہسپتال کے آئی سی یو کے باہر نمودار ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چیک اور نکاح نامے کے کاغذات تھے۔
"اس پر دستخط کرو، اور حارث بچ جائے گا،" احمد نے کاغذات اقراء کی طرف بڑھائے۔
اقراء نے ان کاغذات کو دیکھا، پھر احمد کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کے چہرے پر وہ خوف نہیں تھا جس کی احمد کو توقع تھی۔
اس نے آہستہ سے چیک پکڑا... اور اسے سب کے سامنے پرزے پرزے کر دیا۔
"تمہارا پیسہ تمہیں مبارک ہو احمد غوری! تم کیا سمجھتے ہو کہ محبت اتنی سستی ہے کہ تمہارے چند ٹکڑوں پر بک جائے گی؟" اقراء کی آواز ہسپتال کی راہداری میں گونجی۔
"تم جذباتی ہو رہی ہو، اس کی جان جا سکتی ہے،" احمد نے دانت پیستے ہوئے کہا۔
"سنو احمد غوری!" اقراء اس کے بالکل قریب آ گئی۔ "تم دنیا خرید سکتے ہو، ضمیر نہیں! تم لاشیں خرید سکتے ہو، وفادار عورت کی روح نہیں! اگر حارث مر بھی گیا، تب بھی میں تمہارے پاس نہیں آؤں گی۔ میں تمہیں تمہارے اندر سے مار دوں گی۔ تمہارا پیسہ، تمہاری طاقت، تمہاری انا... سب اسی ہسپتال کے فرش پر ڈھیر ہو جائیں گے۔"
احمد غوری، جو ہمیشہ لوگوں کو جھکتے ہوئے دیکھتا تھا، آج پہلی بار کسی کی نظروں کی تاب نہ لا سکا۔ اس کے ہاتھ میں موجود قلم گر گیا۔ اقراء پلٹ کر چلی گئی، اور وہ مغرور انسان مٹھی بھر کاغذ کے ٹکڑوں کے ساتھ وہیں کھڑا رہ گیا—پہلی بار شکست اس کے ماتھے پر لکھی جا چکی تھی۔

کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 6: خاموش آہ اور دیوانے کی دستک)
| نمبر شمار | کردار کا نام / پہچان | کردار کی نوعیت / تفصیل | اندازاً عمر |

1	احمد غوری	کہانی کا مرکزی کردار۔ جو اب دولت کے باوجود اندرونی تنہائی، خوف اور ضمیر کی خلش کا شکار ہو رہا ہے۔	32 سال
2	اقراء	کہانی کی ہیروئن۔ جس نے حارث کی زندگی بچانے کے لیے اس کی معذوری کو قبول کیا اور اس کی بیساکھی بننے کا عہد کیا۔	20 تا 22 سال
3	سبحان فقیر	درویش صفت بزرگ۔ جو احمد غوری اور دیگر لوگوں کو ان کی اوقات اور حقائق کا آئینہ دکھاتے ہیں۔	65 تا 70 سال
4	حارث	اقراء کا منگیتر۔ جو ہسپتال میں زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہا ہے اور اس کی ٹانگیں کاٹنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔	24 تا 26 سال
5	بشیر	(احمد کے ماموں)۔ جو بیٹی کی شادی کے بعد قرض خواہوں کے دباؤ اور اپنی سفید پوشی کے بھرم کے ٹوٹنے کے خوف میں مبتلا ہیں۔	55 تا 60 سال
6	مہتاب	احمد غوری کا دوست۔ جو اسے غم بھلانے کے لیے کلب اور عیاشی کی دعوت دیتا ہے۔	32 تا 35 سال
7	نوجوان (مزار پر)	ایک بے روزگار شخص جو مزار پر نوکری کی دعا کے بہانے رب سے "تجارت" کر رہا تھا۔	22 تا 24 سال
8	پہلا قرض خواہ	محلے کا معزز، جو بشیر سے اپنے پیسے سختی سے واپس مانگ رہا ہے۔	50 تا 55 سال
9	دوسرا قرض خواہ	قرض دینے والا شخص جو محلے داری پر پیسوں کو ترجیح دیتا ہے۔	45 تا 50 سال
10	تیسرا قرض خواہ	جس نے بشیر کو سفید پگڑی اور عزت کی نزاکت کا طعنہ دیا۔	40 تا 45 سال
11	ڈاکٹر	ہسپتال کا سرجن، جس نے حارث کی زندگی بچانے کے لیے ٹانگیں کاٹنے کا کڑا فیصلہ سنایا۔	45 تا 50 سال
12	حارث کی ماں	ایک ممتا ماری ماں، جو بیٹے کی معذوری کی خبر سن کر تڑپ اٹھتی ہے۔	50 تا 55 سال
13	اقراء کا باپ	ایک بے بس باپ، جو بیٹی کے کڑے فیصلے اور داماد کی حالت پر پریشان ہے۔	55 تا 60 سال

نفسیاتی جائزہ (Character Insights):
* احمد غوری کا ڈراؤنا خواب: یہ منظر ظاہر کرتا ہے کہ احمد اب اپنی ہی دولت کے بوجھ تلے دب رہا ہے۔ نوٹوں کا زنجیر بننا اس کی مادی قید کی علامت ہے۔
* اقراء کی عظمت: اس قسط میں اقراء نے ثابت کیا کہ وہ صرف ایک روایتی لڑکی نہیں بلکہ ایک مضبوط کردار ہے جو حالات کا رخ موڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔
* سبحان فقیر: وہ کہانی کے "قطب نما" (Compass) ہیں جو بھٹکے ہوئے کرداروں کو صحیح سمت دکھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
قسط نمبر 6: خاموش آہ اور دیوانے کی دستک
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس
منظر 1: دربار کا صحن — خواہش اور حقائق

صبح کی سپیدی ابھی ٹھیک سے پھیلی بھی نہ تھی کہ دربار شاہ شمس تبریز مزار کے گنبد پر چڑیوں کا شور ایک عجیب سے وجد میں بدل چکا تھا۔ اگر بتی کا دھواں لکیریں بناتا ہوا فضا میں تحلیل ہو رہا تھا۔ ایک نوجوان، جس کے چہرے پر دنیاوی الجھنیں صاف رقم تھیں، جالی کو تھامے کھڑا تھا۔

نوجوان (گڑگڑا کر): "بابا جی! بس آج لاج رکھ لینا۔۔ بہت بڑی کمپنی ہے، بہت بڑی نوکری ہے۔ اگر آج بات بن گئی تو واللہ! یہاں دیگ چڑھاوں گا، غریبوں کو کپڑے بانٹوں گا۔ بس خالی ہاتھ نہ لوٹانا۔"

"تجارت کرنے آئے ہو یا دعا مانگنے؟" پیچھے سے ایک کھنکتی ہوئی، طنزیہ آواز آئی۔

نوجوان چونک کر مڑا۔ ستون سے ٹیک لگائے سبحان فقیر کھڑا تھا۔ وہی پھٹے پرانے کپڑے، مگر آنکھوں میں ایسی کاٹ کہ دیکھنے والا اپنی نظریں چرا لے۔

نوجوان (جھینپ کر): "سائیں! بس دعا کر رہا تھا۔"

سبحان فقیر (آگے بڑھتے ہوئے): "یہ سوداگری ہے پتر! تو رب کو رشوت دے رہا ہے کہ وہ تیری مرضی پوری کرے تو تو بدلے میں دیگ چڑھائے گا۔ اگر کام نہ ہوا، تو کیا دیگ نہیں چڑھے گی؟ کیا رب کی خدائی کم ہو جائے گی؟"

نوجوان: "سائیں، ہم دنیا دار لوگ ہیں۔ مجبوری ہے، نوکری نہیں ملے گی تو عزت کیسے رہے گی؟"

سبحان فقیر (قہقہہ لگا کر): "عزت؟ رزق سے عزت ہوتی تو قارون سب سے معزز ہوتا۔ او نادان! اس مزار والے نے پوری زندگی دنیا کو ٹھوکر ماری اور تو اسی کے پاس دنیا مانگنے آیا ہے؟ وہ تجھے وہ کیوں دے، جس سے اس نے خود پناہ مانگی تھی؟"

نوجوان (خاموشی سے): "پھر میں یہاں کیوں آؤں؟ لوگ کہتے ہیں یہاں سے کوئی خالی نہیں جاتا۔"

سبحان فقیر: "یہاں لوگ مرادیں مانگنے آتے ہیں، راستہ نہیں مانگتے۔ یاد رکھ، مراد کا پورا ہونا ہمیشہ رحمت نہیں ہوتا، کبھی کبھی یہ اللہ کی طرف سے 'ڈھیل' کا آغاز ہوتا ہے۔ تو نوکری مانگ رہا ہے، دنیادار انسان یہاں پیار مانگ رہیں ہے، اولادیں مانگ رہیں ہے، پیسہ مانگ رہیں ہے، دنیا مانگ رہیں ہے، جو مانگنا ہے وہ نہیں مانگتے، میں کہتا ہوں 'ہدایت' مانگو۔"

نوجوان: "ہدایت سے پیٹ تو نہیں بھرتا سائیں!"

سبحان فقیر (اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے): "جس دن ہدایت مل جائے، اس دن تھوڑا رزق بھی

'سکون' بن جاتا ہے۔ اور جس دن ہدایت چھن جائے، اس دن کروڑوں کا مال بھی 'زنجیر' بن جاتا ہے۔
رزق تو کتے اور بلے کو بھی ملتا ہے، انسان کو تو رزق کے ساتھ 'رب' ملنا چاہیے تھا۔"
نوجوان کی گردن جھک گئی۔ فقیر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور لہجہ نرم ہو گیا۔
سبحان فقیر: "جا۔۔۔ آج تجھے نوکری مل جائے گی۔ پر یاد رکھنا، یہ تیرے انٹرویو کا کمال نہیں ہوگا، یہ تیرے امتحان کی شروعات ہوگی۔ دیکھنا یہ ہے کہ رزق ملنے کے بعد تو رزاق کو یاد رکھتا ہے یا کرسی کو۔"
منظر 2: بشیر کا گھر — قرض کا بوجھ
کمرے میں حبس تھا اور چھت سے لٹکا ہوا پرانا بلب بشیر کی زندگی کی طرح ٹمٹما رہا تھا۔ دروازے پر دستک نہیں، گویا موت کا بلاوا تھا۔ بشیر نے کانپتے ہاتھوں سے کواڑ کھولے۔ سامنے محلے کے تین معززین کھڑے تھے، مگر ان کی آنکھوں میں شرافت کی جگہ حساب کتاب کی سردی تھی۔
قرض خواہ (سختی سے): "کیوں بشیر صاحب! اب کیا ارادہ ہے؟ ہم تو سمجھ رہے تھے بیٹی کی شادی سے فارغ ہو کر آپ ہمیں خود بلائیں گے۔"
بشیر (نظریں جھکا کر): "میں۔۔۔ میں کوشش کر رہا ہوں۔ بس تھوڑی سی مہلت۔"
دوسرا آدمی (آگے بڑھ کر): "مہلت کا وقت گزر گیا۔ محلے داری اپنی جگہ، مگر یہ لاکھوں روپے ہم نے صدقہ تو نہیں دیے تھے۔ ہماری اپنی ضرورتیں ہیں۔"
بشیر (آواز بھرا گئی): "میں جانتا ہوں صاحب۔ بیٹی کی رخصتی نے میرا ہاتھ خالی کر دیا۔ بس چند دن اور دے دیں۔"
تیسرا آدمی (طنز سے): "بشیر صاحب! یہ جو سفید پگڑی آپ نے پہنی ہے نا، اس کی سفیدی قرض کے نوٹوں سے نہیں بچتی، وعدے پورے کرنے سے بچتی ہے۔ یاد رکھیے گا، عزت قرض سے زیادہ نازک ہوتی ہے۔ ایک بار ٹوٹ گئی تو کوئی درزی اسے سی نہیں سکے گا۔"
بشیر (خاموشی سے): "ان شاء اللہ، میں اپنا خون بیچ کر بھی آپ کا حق ادا کروں گا۔"
قرض خواہ: "خون کی ضرورت نہیں، نوٹوں کی ضرورت ہے۔ جمعرات تک کا وقت ہے، ورنہ ہمیں دوسرا طریقہ آتا ہے۔"
وہ لوگ مڑے اور چلے گئے۔ بشیر وہیں چوکھٹ پر بیٹھ گیا۔ اسے لگا دیواریں اس کی طرف سرک رہی ہیں۔
منظر 3: ہسپتال کی راہداری — کڑا فیصلہ
ہسپتال کی بو اور مشینوں کی بیپ بیپ نے اعصاب مفلوج کر دیے تھے۔ اقراء دیوار سے لگی کھڑی تھی، اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے اس کی راتوں کی جاگتی اذیت بتا رہے تھے۔ ڈاکٹر آپریشن تھیٹر سے باہر نکلا، چہرے پر بے بسی تھی۔

میں سے من تک

ڈاکٹر: "انفیکشن ہڈیوں تک پہنچ چکا ہے۔ ہم نے بہت کوشش کی کہ ادویات سے کنٹرول ہو جائے، مگر اب زہر اوپر چڑھ رہا ہے۔" کیا پیسوں کا بندوبست ہوا؟"
اقراء کا باپ: "ڈاکٹر صاحب! ہم نے ہر دروازہ کھٹکھٹایا، پر غریب کی کوئی ضمانت نہیں دیتا۔ ہمارے پاس اتنی بڑی رقم نہیں ہے..."
ڈاکٹر: "تو پھر معاف کیجیے گا... ہمیں حارث کی زندگی بچانے کے لیے اس کی دونوں ٹانگیں کاٹنی پڑیں گی۔ ورنہ زہر دل تک پہنچ جائے گا۔"
حارث کی ماں: (ایک دلدوز چیخ مار کر زمین پر بیٹھ جاتی ہے) "ہائے میرے بچے! یا اللہ! وہ تو ابھی دولہا بننے کے خواب دیکھ رہا تھا... وہ کیسے جئے گا؟ وہ تو مر جائے گا ڈاکٹر صاحب!"
اقراء: (آنسو پونچھ کر، ایک آہنی عزم کے ساتھ آگے بڑھتی ہے) "ڈاکٹر صاحب! آپ آپریشن شروع کریں۔ حارث کی زندگی قیمتی ہے، ٹانگیں نہیں۔"
اقراء کا باپ: "بیٹی! تو ہوش میں ہے؟ وہ ساری عمر کے لیے معذور ہو جائے گا، کون دے گا اسے سہارا؟"
اقراء: (باپ کی آنکھوں میں دیکھ کر) "میں دوں گی بابا! وہ میرا منگیتر ہے، میرا مان ہے۔ اگر ٹانگیں کٹ رہی ہیں تو کیا ہوا، اس کی زندگی کی ڈور تو سلامت رہے گی۔ میں اس کی بیساکھی بنوں گی۔ شاید... شاید یہی میری قسمت کا امتحان تھا۔" آج ان کے پیر نہیں رہیں گے، تو میں ان کی بیساکھی بنوں گی۔ محبت میں سودے بازی نہیں ہوتی۔"
اس نے فارم پر دستخط کر دیے۔ اس کے قلم کی جنبش اس کے خوابوں کا قتل کر رہی تھی، مگر اس کا چہرہ ایک عجیب سے سکون سے چمک رہا تھا۔
منظر 4: احمد غوری کی تنہائی
حویلی کے وسیع و عریض کمرے میں احمد غوری اکیلا بیٹھا تھا۔ سامنے میز پر پھٹا ہوا نکاح نامہ پڑا تھا، جو اس کی انا کا ٹوٹا ہوا آئینہ تھا۔ فون کی گھنٹی بجی۔ مہتاب تھا۔
مہتاب: "یار احمد! کہاں ہے؟ پارٹی شروع ہو گئی ہے۔ سب تیرا انتظار کر رہے ہیں۔"
احمد (سپاٹ آواز میں): "میرا دل نہیں چاہ رہا مہتاب۔ سب کچھ بے رنگ لگ رہا ہے۔"
مہتاب (ہنستے ہوئے): "یار، ایک لڑکی نے تجھے ہلا کر رکھ دیا؟ تو احمد غوری ہے! پیسہ پھینک، تماشہ دیکھ۔ چل آ، کچھ 'نیا' نشہ کرتے ہیں۔ غم درد دور ہو جائے گا۔"
احمد: "پیسہ بے کار ہے مہتاب۔ میں نے سوچا تھا ہر چیز خریدی جا سکتی ہے، پر اس لڑکی کی 'خودی' نے میرے غرور کو ننگا کر دیا ہے۔"

میں سے من تک

مہتاب: "فلسفہ چھوڑ اور کلب پہنچ۔ وہاں تجھے کوئی یاد نہیں رہے گا۔"
کچھ لمحوں بعد پارٹی کا منظر

شور، تیز موسیقی اور دھواں۔ احمد گلاس ہاتھ میں لیے بیٹھا تھا۔ لوگ ناچ رہے تھے، ہنس رہے تھے، مگر اسے سب 'مردہ' لگ رہے تھے۔ اس نے شراب کے گلاس میں اپنا عکس دیکھا۔ اسے اپنا چہرہ پہچاننے میں دشواری ہو رہی تھی۔ کیا یہ وہی احمد غوری ہے جس کے ایک اشارے پر لوگ تھر تھر کانپتے تھے؟ آج وہ خود اپنی روح کے سامنے کانپ رہا تھا۔

منظر 5: سڑک کا کنارہ — ایک عجیب ملاقات

پارٹی سے نکلتے ہی راستے میں گاڑی روک کر نشے اور تھکن میں چور احمد گاڑی سے نکلا اور سگریٹ کے کھوکھے کے پاس رک گیا۔ سرد ہوا نے اسے تھوڑا ہوش دلایا۔ وہیں سبحان فقیر چادر اوڑھے گزرتے ہوئے رک کر اسے گھورنے لگتا ہے۔

احمد (چڑ کر): "کیا دیکھ رہے ہو بڈھے؟ کبھی امیر آدمی نہیں دیکھا؟"
سبحان فقیر (آہستگی سے): "امیر تو دیکھ رہا ہوں، مگر بہت غریب ہے۔"
احمد: "کیا مطلب؟"
سبحان فقیر: "تیرے چہرے پر جو 'زخم' ہیں، وہ پیسوں کی پٹی سے نہیں بھریں گے۔ تو جس چیز سے بھاگ رہا ہے، وہ تیرے اندر ہی چھپی ہے۔"
احمد (تلخی سے): "تم جانتے بھی ہو میں کون ہوں؟"
سبحان فقیر: "ہاں۔۔۔ تو وہ ہے جو خود کو ڈھونڈنے نکلا تھا مگر راستے میں اپنی انا کا قیدی بن گیا۔"
احمد کا ہاتھ سگریٹ سمیت رک گیا۔ "تم پاگل ہو، کوئی ملنگ ہو۔"
سبحان فقیر چلتے ہوئے کہتا ہے "کبھی دربار شاہ شمس تبریز پر آنا۔ شاید وہاں تمہیں تمہارا وہ عکس دکھاؤ گا جو تم نے اس شراب کے گلاس میں کھو دیا ہے۔"

منظر 6: مکافاتِ عمل

رات کا آخری پہر تھا۔ احمد اپنے عالیشان بیڈروم میں تھا، مگر نیند کوسوں دور تھی۔ اسے گھڑی کی ٹک ٹک اپنے دل کی دھڑکن محسوس ہو رہی تھی۔

اچانک اسے لگا وہ کسی سنسان سڑک پر ہے۔ چاروں طرف دھند ہے اور سامنے سے ایک سفید روشنی آ رہی ہے۔ وہ بھاگنا چاہتا ہے، مگر اس کے پاؤں زمین میں دھنسے ہوئے ہیں۔ اس نے نیچے دیکھا تو چیخ نکل گئی۔ اس کے پاؤں میں لوہے کی زنجیریں نہیں تھیں، بلکہ کرنسی نوٹوں کے بنڈل زنجیر بن کر اسے جکڑے ہوئے تھے۔

میں سے من تک

وہ جتنا ہلتا، نوٹوں کی گرفت اتنی ہی سخت ہوتی جاتی۔
"بچاؤ!" وہ چلایا۔
ایک دم آنکھ کھل گئی۔ پسینہ شرابور تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے سائیڈ ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھایا۔ ہاتھ اس قدر لرز رہے تھے کہ گلاس فرش پر جا گرا۔
ٹکرار!
شیشہ کرچی کرچی ہو گیا۔ احمد بستر سے اٹھا اور ان کرچیوں کو دیکھنے لگا۔ اسے لگا وہ شیشہ نہیں، اس کا اپنا وجود تھا۔
"میں ٹھیک کیوں نہیں ہو رہا۔۔۔؟" اس نے اندھیرے سے سوال کیا۔
مگر کمرے کے کسی کونے سے کوئی جواب نہیں آیا۔ صرف دیوار پر لگی گھڑی ٹک ٹک کر رہی تھی، جیسے کہہ رہی ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل رہا ہے۔

کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 7: تقدیر کا قلم اور بے بس سکہ)
| نمبر شمار | کردار کا نام / پہچان | کردار کی نوعیت / تفصیل | اندازۂ عمر |

1	احمد غوری	کہانی کا مرکزی کردار۔ جو ماں کی وفات اور دولت کی ناکامی کے بعد مکمل طور پر ٹوٹ چکا ہے۔	32 سال
2	صغراں بی بی (ماں)	احمد کی والدہ۔ جن کا انتقال اس قسط میں احمد کی زندگی کا سب سے بڑا موڑ ثابت ہوتا ہے۔	60 سال
3	زینب	احمد کی بہن۔ جو ماں کی موت پر غمزدہ ہے اور بھائی کو اس کی طاقت کی بے بسی کا آئینہ دکھاتی ہے۔	28 سال
4	اقراء	کہانی کی ہیروئن۔ جس نے حارث سے ہسپتال میں نکاح کر کے اپنی وفاداری اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیا۔	20 تا 22 سال
5	حارث	اقراء کا منگیتر/شوہر۔ جو اپنی دونوں ٹانگوں سے محروم ہو چکا ہے اور ذہنی طور پر خود کو بوجھ محسوس کر رہا ہے۔	24 تا 26 سال
6	بلال	مکار عاشق۔ جو ثنا کو ہاسٹل سے بھگا کر لے جاتا ہے (اپنے مالی مفادات کے لیے)۔	23 تا 25 سال
7	ثنا	ہاسٹل کی طالبہ۔ جو بلال کی باتوں میں آ کر اپنی عزت اور خاندان کی سفید پوشی داؤ پر لگا دیتی ہے۔	20 تا 21 سال
8	ڈاکٹر	ہسپتال کا معالج۔ جو احمد غوری کو یہ تلخ حقیقت سمجھاتا ہے کہ موت کا فرشتہ پیسوں سے نہیں رکتا۔	45 تا 50 سال
9	پہلی عورت (محلہ)	محلے کی وہ خاتون جو ثنا کے بھاگنے پر رزاق (ثنا کے باپ) کے کردار پر انگلیاں اٹھاتی ہے۔	45 تا 50 سال
10	دوسری عورت (محلہ)	محلے کی عورت جو بیٹیوں کو پڑھانے کی مخالفت اور طنز کرتی ہے۔	40 تا 45 سال
11	تیسری عورت (محلہ)	وہ عورت جو ماضی کے حوالے دے کر ثنا کے باپ کی تذلیل کرتی ہے۔	50 تا 55 سال
12	چوتھی عورت (محلہ)	جو اقراء کو حارث کی معذوری پر "پاگل" اور "برباد" قرار دیتی ہے۔	40 تا 45 سال
13	شیر خان	احمد کا کارندہ۔ جو ہسپتال میں ڈاکٹر کو بلانے اور دیگر انتظام میں احمد کے ساتھ ہے۔	40 تا 45 سال
14	رزاق (ذکر)	ثنا کا باپ۔ جس کی پگڑی اور عزت ثنا کے بھاگنے سے مٹی میں مل گئی۔	55 تا 60 سال

نفسیاتی جائزہ (Character Dynamics):
* احمد غوری کی کایا پلٹ: اس قسط میں احمد کا "سونا" مٹی بن گیا ہے۔ اس کا نوٹوں کو فرش پر بکھیرنا اس کی ذہنی شکست کی انتہا ہے۔
* اقراء کا وقار: اقراء نے محلے کی عورتوں کو جو جواب دیا، وہ اس کے کردار کی مضبوطی اور "من تک" پہنچنے کی صلاحیت کو ظاہر کرتا ہے۔
* ثنا اور بلال کا المیہ: ایک طرف پاکیزہ محبت (اقراء) ہے اور دوسری طرف ہوس اور دھوکے پر مبنی راستہ (ثنا)۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
قسط نمبر 7: تقدیر کا قلم اور بے بس سکہ
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس
منظر 1: ہاسٹل کی دیواریں اور ادھورا خواب

رات کا آخری پہر تھا، جب شہر کی روشنیاں بجھنے لگتی ہیں اور ضمیر کی آوازیں جاگ اٹھتی ہیں۔ بلال ہاسٹل کے عقبی دروازے کے پاس کھڑا تھا، اس کا دل کسی تانبے کے برتن کی طرح بج رہا تھا۔

بلال (موبائل پر سرگوشی کرتے ہوئے): "ثنا! بس ایک ہمت اور... گارڈ دوسری طرف گیا ہے۔ یہ پانچ منٹ ہی ہماری پوری زندگی کا فیصلہ کریں گے۔"

ثنا (کھڑکی کے پیچھے کانپتی آواز میں): "بلال، میرا دم گھٹ رہا ہے۔ یہ اندھیرا مجھے ڈرا رہا ہے۔ کیا ہم غلط تو نہیں کر رہے؟"

بلال (تیزی سے): "غلط وہ معاشرہ ہے جو دو دلوں کو ملنے کے لیے دیواریں کھڑی کرتا ہے۔ ثنا، اگر آج تم نہیں آئیں تو کل تم کسی ایسے شخص کے نام کر دی جاؤ گی جس کے لیے تم محض ایک ضرورت ہو گی۔ کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟"

ثنا: "یقین تو ہے، مگر ابا اور... بھائی کی غیرت... ان کا کیا ہوگا؟"

بلال (تلخی سے): "ثنا، محبت قربانی مانگتی ہے۔ میں نے تمہارے لیے اپنا گھر، اپنی پہچان سب داؤ پر لگا دی ہے۔ کیا تم ایک قدم نہیں اٹھا سکتیں؟"

چند لمحے کی جان لیوا خاموشی رہی۔ پھر ہاسٹل کا چھوٹا دروازہ ایک لمبی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھلا۔ ثنا بیگ تھامے باہر نکلی، اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا مگر آنکھوں میں ایک پاگل پن تھا۔

بلال (اس کا ہاتھ پکڑ کر): "ڈرو مت۔ آج کے بعد تمہارا ہر دکھ میرا ہوگا اور میرا ہر سکھ تمہارا۔"

ثنا: "ہم کہاں جا رہے ہیں بلال؟"

بلال: "وہاں، جہاں لوگ ہمیں ہماری ذات سے نہیں بلکہ ہماری محبت سے پہچانیں گے۔"

وہ دونوں اندھیرے میں غائب ہو گئے، پیچھے ہاسٹل کی وہ عمارت کھڑی رہ گئی جہاں ایک لڑکی کا 'ادھورا خواب' اور ایک خاندان کی 'عزت' دفن ہو چکی تھی۔

منظر 2: احمد غوری کی پہلی ہار

فجر کی اذان کی آواز فضا میں گونج رہی تھی جب احمد غوری اپنی ماں صغراں بی بی کے کمرے میں داخل ہوا۔ اسے لگا جیسے کمرے میں ضرورت سے زیادہ سکون ہے۔

احمد: "ماں! اٹھیں، سحر کا وقت ہو چکا ہے۔ آج آپ نے تہجد نہیں پڑھی کیا۔"

میں سے من تک

کوئی جواب نہ آیا۔ احمد قریب ہوا اور ماں کا ہاتھ پکڑا۔ وہ ہاتھ برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔
احمد (چیخ کر): "ماں! کیا ہوا ماں؟ آنکھیں کھولیں! شیر خان۔۔۔ڈاکٹر کو کال کرو جلدی!"
ڈاکٹر کے آنے تک احمد کے چہرے کی رنگت اڑ چکی تھی۔ ڈاکٹر نے نبض چیک کی اور ایک گہری آہ بھری۔
ڈاکٹر: "احمد صاحب، دل کا دورہ بہت شدید تھا۔ ان کی حالت تشویشناک ہے۔ انہیں فوری طور پر بڑے ہسپتال شفٹ کرنا ہوگا، ورنہ۔۔۔"
احمد (ڈاکٹر کا گریبان پکڑ کر): "ورنہ کیا؟ میں احمد غوری ہوں! میری ماں کو کچھ نہیں ہو سکتا۔ تم اپنی پوری ٹیم بلاؤ، جو مشین چاہیے منگواؤ، بس میری ماں کی سانس نہیں رکنی چاہیے!"
منظر 3: ہسپتال — جہاں روحیں ملتی ہیں
حارث کو جب ہوش آیا تو اسے اپنے جسم کا نچلا حصہ بالکل سن محسوس ہوا۔ اس نے چادر ہٹائی تو وہاں خلا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت اتر آئی۔
حارث (پھٹی ہوئی آواز میں): "اقراء! یہ کیا ہے؟ میری ٹانگیں کہاں ہیں؟ میں۔۔۔ میں تو ختم ہو گیا!"
اقراء (مضبوط لہجے میں): "تم ختم نہیں ہوئے حارث، تم جیتے ہو۔ تم نے موت کو شکست دی ہے۔"
حارث (دیوار پر ہاتھ مارتے ہوئے): "یہ کیسی جیت ہے؟ میں اب ایک لاش ہوں جسے لوگ پہیوں پر گھمائیں گے۔ میں تم پر بوجھ بن گیا ہوں۔ جاؤ یہاں سے! مجھے اکیلا چھوڑ دو۔"
اقراء نے خاموشی سے اپنے بیگ سے ایک فائل نکالی اور حارث کے سامنے رکھ دی۔
حارث: "یہ کیا ہے؟"
اقراء: "یہ ہمارے نکاح کے کاغذات ہیں۔ میں نے وکیل سے بات کر لی ہے۔ تم بس یہاں دستخط کر دو۔"
حارث (حیرت سے): "تم پاگل ہو گئی ہو؟ ایک معذور سے شادی؟ لوگ کیا کہیں گے؟ تمہاری زندگی برباد ہو جائے گی۔"
اقراء (قریب آ کر): "لوگوں نے تو اس دن بھی بہت کچھ کہا تھا جب میں نے تمہیں چنا تھا۔ حارث، مرد ٹانگوں سے نہیں، اپنے ظرف اور حوصلے سے ہوتا ہے۔ میں نے تمہارے جسم سے محبت نہیں کی تھی کہ اب تمہارے جسم کے کٹ جانے پر تمہیں چھوڑ دوں۔"
حارث (روتے ہوئے): "میں تمہیں کچھ نہیں دے سکوں گا اقراء۔"
اقراء: "مجھے کچھ نہیں چاہیے، بس تمہارا ساتھ چاہیے۔ میں تمہاری بیساکھی بنوں گی، تمہاری ڈھال بنوں گی۔ اب قلم پکڑو اور ثابت کرو کہ تم ابھی ہارے نہیں ہو۔"
حارث نے کانپتے ہاتھوں سے قلم تھاما۔ یہ دستخط صرف کاغذ پر نہیں، ایک نئی زندگی پر عہد تھا۔

میں سے من تک

منظر 4: دولت کی بے بسی

احمد غوری ہسپتال کے کوریڈور میں پاگلوں کی طرح ٹہل رہا تھا۔ ڈاکٹرز باہر نکلے تو وہ ان پر جھپٹ پڑا۔

احمد: "ڈاکٹر! کتنا پیسہ چاہیے؟ بولو! ایک کروڑ؟ پانچ کروڑ؟ میری ماں کی سانسیں واپس لاؤ!"

ڈاکٹر (نرمی سے): "احمد صاحب، سمجھنے کی کوشش کریں۔ کچھ چیزیں مارکیٹ میں نہیں ملتیں، رب کے دربار میں ملتی ہیں۔ ان کی حالت مشین کے بس میں نہیں ہے۔"

احمد: "جھوٹ بولتے ہو تم سب! میں نے سنا ہے کہ پیسہ ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ میں تقدیر کا قلم خرید لوں گا، میں اپنی ماں کو مرنے نہیں دوں گا!"

ڈاکٹر (سرد لہجے میں): "آپ تقدیر خریدنے کی بات کرتے ہیں احمد صاحب؟ یہاں بادشاہوں کے جنازے بھی اسی مٹی میں جاتے ہیں جہاں غریب کے۔ آپ کا پیسہ ہسپتال کا کمرہ تو بدل سکتا ہے، مگر موت کا فرشتہ نہیں بدل سکتا۔"

احمد دیوار سے لگ کر بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ میں موجود سونے کی انگوٹھی اسے لوہے کی بیڑی محسوس ہونے لگی۔

منظر 5: محلے کی زہریلی زبانیں

محلے کے نکڑ پر عورتوں کا ہجوم تھا، جہاں باتیں نہیں بلکہ زہر گھولا جا رہا تھا۔

پہلی عورت: "سنا تم نے؟ رزاق کی بیٹی ثنا کسی کے ساتھ نکل گئی۔ بڑی پارسا بنتی تھی۔"

دوسری عورت: "ارے بیٹیوں کو زیادہ پڑھاؤ گے تو یہی ہوگا نا۔ اب رزاق کس منہ سے باہر نکلے گا؟"

تیسری عورت: اسی منہ سے اور کس سے اس کو اپنا وقت یاد نہیں جب بیس سال پہلے اس نے بھی کچھ ایسا کیا تھا اب وہی کرنی کی بھرنی ہے اور کیا۔۔۔

اسی وقت اقراء وہیل چیئر پر حارث کو لے کر وہاں سے اپنے گھر کی طرف گزری۔ ایک عورت نے طنز کیا۔

عورت: "لو دیکھو! معذور کو گلے لگا لیا۔ جوان خون ہے نا، عقل ٹھکانے آنے میں وقت لگے گا۔"

اقراء رکی۔ اس نے حارث کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور عورتوں کی طرف مڑی۔

اقراء: "آپ سب کی زبانیں بہت تیز چلتی ہیں، کاش آپ کے دل بھی اتنے ہی بڑے ہوتے۔ اور جسے آپ میری 'بربادی' کہہ رہی ہیں، وہ میرا 'مان' ہے۔"

عورت: "مان؟ اس اپاہج پر پاگل؟"

اقراء (دو ٹوک):"پاگل میں نہیں، پاگل آپ لوگ ہیں۔ اپاہج وہ نہیں ہوتا جس کے پاؤں نہ ہوں، اپاہج وہ ہوتا ہے جس کی سوچ مفلوج ہو جائے۔ آپ لوگوں کے پاس پاؤں تو ہیں، پر آپ کی روحیں رینگ رہی

میں سے من تک

ہیں۔ جب تک میں حارث کے ساتھ ہوں، وہ اس کائنات کا سب سے طاقتور مرد ہے۔"
سب عورتیں گنگ رہ گئیں۔ اقراء وقار کے ساتھ وہیل چیئر آگے بڑھا لے گئی۔
منظر 6: "میں" کا جنازہ
ہسپتال کا ٹھنڈا کوریڈور اور موت جیسی خاموشی۔ ڈاکٹر نے آ کر احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
ڈاکٹر: "آئی ایم سوری احمد صاحب۔ وہ نہیں رہیں۔"
احمد کے کانوں میں جیسے دھماکہ ہوا۔ زینب چیخیں مارتی ہوئی آئی اور احمد کے سینے سے لگ گئی۔
زینب: "بھائی! امی کو اٹھائیں! آپ تو کہتے تھے آپ سب کچھ کر سکتے ہیں! آپ کے پاس تو بہت پیسہ ہے نا؟ پھر امی کیوں چلی گئیں؟"
احمد کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس نے اپنی جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی اور اسے فرش پر بکھیر دیا۔
احمد (ٹوٹی ہوئی آواز میں): "میرا پیسہ ہار گیا زینب۔۔۔ یہ کاغذ کے ٹکڑے میری ماں کی ایک سانس بھی نہیں خرید سکے۔"
اسے سبحان فقیر کا جملہ یاد آیا: "تیرے چہرے پر جو زخم ہیں وہ پیسوں کی پٹی سے نہیں بھریں گے۔"
آج احمد غوری کا غرور، اس کی انا اور اس کی "میں" اس کی ماں کے ساتھ ہی مر گئی تھی۔ وہ اب وہ جابر انسان نہیں رہا تھا، وہ صرف ایک یتیم بیٹا تھا جسے شاید پہلی بار خدا کی موجودگی اور اسے نظام کا احساس ہو رہا تھا۔

کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 8: توبہ کی دہلیز اور انا کا تھپڑ)
| نمبر شمار | کردار کا نام / پہچان | کردار کی نوعیت / تفصیل | اندازۂ عمر |

1	احمد غوری	کہانی کا مرکزی کردار۔ جو اب اپنے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کرنے نکلا ہے اور توبہ کی پہلی منزل (انا کے قتل) پر پہنچ چکا ہے۔	32 سال
2	اقراء	حارث کی اہلیہ۔ جو ثابت قدمی اور بے لوث محبت کی علامت بن کر ابھری ہے اور احمد کی دولت کو ٹھکراتی ہے۔	20 تا 22 سال
3	حارث	اقراء کا شوہر۔ جو جسمانی معذوری کے باعث ذہنی کرب میں ہے، لیکن غیرت اور خودداری اب بھی اس کا اثاثہ ہے۔	24 تا 26 سال
4	اکبر میاں	وہ بزرگ ملازم جسے احمد نے تھپڑ مارا تھا۔ انہوں نے احمد کو معاف کر کے اسے روحانیت کا سبق دیا۔	65 سال
5	بلال	مکار عاشق اور شکاری۔ جو ثنا کو بیچنے کا سودا کر چکا ہے اور احمد غوری کو تھپڑ مارتا ہے۔	23 تا 25 سال
6	ثنا	رزاق کی بیٹی۔ جو پچھتاوے اور خوف کی کیفیت میں ہے لیکن بلال کے فریب سے ابھی ناواقف ہے۔	20 تا 21 سال
7	بشیر ماموں	احمد کے ماموں۔ جو احمد کی توبہ کو قبول کرتے ہیں لیکن اسے رشتوں کی اہمیت کا احساس دلاتے ہیں۔	55 تا 60 سال
8	سبحان فقیر	درویش بزرگ۔ جو احمد کے روحانی سفر کی رہنمائی کر رہے ہیں اور اسے ثنا کو بچانے کا کام سونپتے ہیں۔	65 تا 70 سال
9	ماجا	جرائم پیشہ شخص اور گینگ کا سرغنہ۔ جو بلال کے ساتھ مل کر ثنا کو اغوا کرنے یا خریدنے کا منصوبہ بنا رہا ہے۔	40 تا 45 سال
10	راجو	ماجا کا ساتھی اور ڈرائیور۔ جو واردات کے لیے گاڑی تیار رکھتا ہے۔	30 تا 35 سال
نفسیاتی جائزہ (Character Insights):
* احمد غوری کا بدلاؤ: قسط نمبر 2 میں احمد نے اکبر میاں کو تھپڑ مارا تھا (تکبر کی انتہا)، اور آج قسط نمبر 8 میں وہ خود ایک عام سے لڑکے (بلال) سے تھپڑ کھاتا ہے مگر خاموش رہتا ہے (توبہ کی انتہا)۔ یہ "مکافاتِ عمل" کا بہترین تسلسل ہے۔
* بلال کا مکروہ چہرہ: بلال اب صرف ایک عاشق نہیں رہا بلکہ ایک "انسانی اسمگلر" یا سوداگر کے روپ میں سامنے آیا ہے، جو ثنا کی مجبوری کا فائدہ اٹھا کر اسے بیچنا چاہتا ہے۔
* اقراء کی فکری بلندی: اقراء کا جملہ "ہم چلیں گے نہیں، پرواز کریں گے" معذوری کے خلاف بلند حوصلگی کی عکاسی کرتا ہے۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
قسط نمبر 8: "توبہ کی دہلیز اور انا کا تھپڑ"
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس
منظر 1: اقراء اور حارث کا گھر – جہاں روحوں کی محبت ہے
(کمرے میں حبس نہیں، ایک مقدس خاموشی ہے۔ حارث کی وہیل چیئر کھڑکی کے پاس ساکن ہے، جیسے وہ باہر کی چلتی پھرتی دنیا سے اپنا تعلق توڑ چکا ہو۔ اقراء ادویات کی ٹرے لیے داخل ہوتی ہے، اس کے قدموں کی چاپ میں ایک عزم ہے۔)
حارث: (بغیر مڑے، تلخی سے) "ان بے جان کٹے بدن کو دوائی پلانے کا کیا فائدہ اقراء؟ سورج تو روز نکلتا ہے، پر میری زندگی کی بہار ڈھل چکی ہے۔ تم نے ایک زندہ لاش سے سودا کر کے اپنی بہاریں گروی رکھ دی ہیں۔"
اقراء: (اس کے مقابل زمین پر بیٹھ کر، اس کے برفیلے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں کی تپش دیتے ہوئے) "حارث! سودے بازاروں میں ہوتے ہیں، محبتوں میں نہیں۔ اور تم نے کب سے جسم کو حقیقت سمجھ لیا یہ تو صرف مٹی کا پتلا ہے؟ انسان کی حقیقت تو روح ہے جو حادثوں کی دھول میں اور چمکتی ہے۔"
حارث: "پر لوگ کیا کہیں گے؟ ایک معذور شوہر اور ایک جوان بیوی؟ یہ بوجھ تمہیں تھکا دے گا۔"
اقراء: (نظریں ملا کر، گہری آواز میں) "لوگوں کے پاس صرف زبانیں ہیں، احساس نہیں۔ یاد رکھو، جہاں روحیں پیوست ہو جائیں وہاں فیصلے نہیں، صرف نباہ ہوتے ہیں۔ تم میرا بوجھ نہیں، میرا مان ہو۔ تمہاری ٹانگیں کٹی ہیں، میرا حوصلہ نہیں۔ ہم چلیں گے نہیں، پرواز کریں گے!"
منظر 2: اکبر میاں کی دہلیز – غرور کا پہلا جنازہ
(احمد غوری کا وہ لباس جس کی شکن پر کبھی غرور کا پہرا تھا، آج مٹی سے اٹا ہوا ہے۔ وہ اکبر میاں کے کچے صحن میں کھڑا ہے جہاں غربت تو ہے پر شرافت کا نور پھیلا ہوا ہے۔)
احمد غوری: (آواز میں کپکپاہٹ ہے) "اکبر میاں! سنا ہے غریب کے پاس دعا کا وہ ہتھیار ہوتا ہے جو عرش ہلا دیتا ہے۔ میں وہ ہتھیار چھیننے نہیں، بلکہ معافی مانگنے آیا ہوں۔ یہ رقم رکھیے، اپنے بیٹے کا علاج کروائیے۔"
اکبر میاں: (اطمینان سے حقہ پیتے ہوئے، رقم کی طرف دیکھے بغیر) "احمد غوری صاحب! رزق کا وعدہ اس رب نے کیا ہے جس نے کائنات بنائی ہے۔ آپ کے ان کاغذ کے ٹکڑوں کی اوقات میرے رب کے ایک 'کن' سے زیادہ نہیں ہے۔"
احمد غوری: گڑگڑا کر "مگر میں نے آپ کو جو تھپڑ مارا تھا... آپ کے سفید بالوں کی توہین کی تھی وہ تو

میں سے من تک

خدارا معاف کر دو۔"
اکبر میاں: (مسکرا کر) "صاحب جی! وہ تھپڑ میرے چہرے پر نہیں، آپ کے اپنے نصیب پر لگا تھا۔ میں نے تو اسی پل معاف کر دیا تھا، کیونکہ بدلہ لینا کمزوروں کا کام ہے اور معاف کرنا اس کا طریقہ ہے جس کے دل میں خدا بستا ہو۔ اب جائیے، اس سے معافی مانگیں جس نے آپ کو پیدا کیا، میں تو محض ایک وسیلہ تھا۔"
منظر 3: ایک گمنام کال اور ایک سودا — ہوس کی منڈی
(ایک ویران کچی سڑک، جہاں دھول اڑ رہی ہے۔ بلال اور ثنا ایک پرانی دیوار کی اوٹ میں کھڑے ہیں۔ ثنا کے چہرے پر پچھتاوے اور ڈر کی لہریں صاف دیکھی جا سکتی ہیں۔)
بلال: (بے چینی سے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے) "ثنا! تم یہیں رکو، میں ذرا کچھ کھانے پینے کا بندوبست کر لوں۔ یہاں سے ہلنا مت۔"
ثنا: (اس کا پلو پکڑتے ہوئے، لرزتی آواز میں) "بلال! مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ یہ جگہ... یہاں کوئی بھی نہیں ہے۔ ہم گھر واپس کیوں نہیں چل سکتے؟ ابا اب بھی معاف کر دیں گے۔"
بلال: (جھٹکے سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے) "گھر؟ اب وہاں صرف بدنامی کا طوق ہے انہوں اب تو نظر آ گئی تو وہ تجھے مار ڈالیں گے۔ بس تھوڑی ہمت کرو، میں ابھی گیا اور ابھی آیا۔"
(بلال دور ایک پی سی او (PCO) یا چھوٹی دکان پر پہنچتا ہے اور نمبر ڈائل کرتا ہے۔ اس کے لہجے میں اب وہ محبت نہیں بلکہ ایک شکاری کی چالاکی ہے۔)
بلال: (فون پر، دبی آواز میں) "ہیلو! ہاں بھائی، تمہارا کام ہوگیا ہے۔ ہم تھوڑی دیر میں دربار پہنچ رہے ہیں۔ بس دربار کے ساتھ والی گلی میں گاڑی تیار رکھنا۔ میں جیسے ہی نکلوں گا، تمہاری امانت تمہارے حوالے کر دوں گا اور تم میرا حصہ (رقم) میرے۔۔۔ بس سودا پکا سمجھو۔"
(فون کاٹ کر وہ ایک گہری سانس لیتا ہے اور اس کے چہرے پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل جاتی ہے۔)
منظر 4: ماموں کا گھر
(احمد اپنے ماموں کے سامنے بیٹھا ہے، میز پر نوٹوں کی گڈیاں دھری ہیں، مگر فضا میں تناؤ ہے۔)
احمد غوری: "ماموں جان، یہ قرض نہیں میرا فرض ہے۔ میں نے جو سلوک اس وقت آپ کے ساتھ کیا، یہ اس کا کفارہ ہے۔ مجھے معاف کر دیجیے۔"
ماموں: (سرد لہجے میں) "احمد! نوٹوں سے زخم تو بھر جا سکتے ہے، پر وہ روح کی چوٹے کیسے بھولو جو تمہارے جملوں نے لگائی ہے؟"
احمد غوری: "انسان خطا کا پتلا ہے ماموں، میں بھٹک گیا تھا۔"

میں سے من تک

ماموں: (گہری سانس لے کر) "پتر! پیسہ تو ہاتھ کی میل ہے، آج ہے کل نہیں۔ پر یاد رکھنا، جڑیں کٹ جائیں تو تنا کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، درخت سوکھ جایا کرتے ہیں۔ تم لوٹ آئے ہو، یہی تمہاری خوش بختی ہے، ورنہ غرور کے صحرا میں تو قافلے گم ہو جایا کرتے ہیں۔"

منظر 5: ماجا اور راجو — جرم کی نئی بساط

(ایک پرانی ورکشاپ یا گیراج، جہاں ایک کالی گاڑی کھڑی ہے۔ ماجا فون پر راجو سے بات کر رہا ہے، اس کی آواز میں غصہ اور جلد بازی ہے۔)

ماجا: (چیختے ہوئے) "ابے او راجو! کہاں مر گیا ہے؟ گھنٹہ بھر ہو گیا ہے تجھے۔ یہ موقع ہاتھ سے نکل گیا نا تو ساری زندگی مکھیاں ماریں گے۔ لاکھوں کا سوال ہے، سمجھ رہا ہے نا؟"

راجو: (دوسری طرف سے، ہانپتے ہوئے) "آ رہا ہوں استاد! بس گاڑی چیک کروا رہا تھا کہ کہیں بیچ رستے میں دھوکہ نہ دے جائے۔ پٹرول بھی فل کروا لیا ہے، اب یہ گاڑی، گولی کی طرح چلے گی۔"

ماجا: "سن! گاڑی کو ایسی جگہ بیک کر کے لگانا کہ جیسے ہی میں اشارہ کروں، ہم سیکنڈوں میں غائب ہو جائیں۔ اس بار کوئی غلطی نہیں ہونی چاہیے، ورنہ پولیس سے پہلے میں تیرا حساب کر دوں گا۔"

راجو: "بے فکر رہیں استاد! راجو جب پٹڑی پر آتا ہے تو پھر بریک نہیں مارتا۔ بس پانچ منٹ میں پہنچا۔"

ماجا: "ٹھیک ہے، جلدی پہنچ۔ فون رکھ رہا ہوں۔"

منظر 6: اقراء کی چوکھٹ — انا کا آخری امتحان

(احمد غوری اب اقراء اور حارث کے سامنے کھڑا ہے۔ حارث کی آنکھوں میں غصہ ہے اور اقراء کے لہجے میں استقامت۔)

احمد غوری: "حارث! میں تمہارا مجرم ہوں۔ تمہاری اس حالت کا ذمہ دار میری انا تھی۔ میں تمہارے علاج کا ہر ممکن خرچہ اٹھانا چاہتا ہوں۔ یہ میرا اعترافِ جرم ہے۔"

اقراء: (آگے بڑھ کر، فولادی لہجے میں) "غوری صاحب! اس دن بھی آپ کا سودا آپ کے منہ پر مارا تھا، آج پھر کہتی ہوں کہ ہم بکاؤ نہیں ہیں۔ ہم اس رب کے فیصلے پر راضی ہیں جس نے ہمیں آزمائش میں ڈالا تو صبر کا ہنر بھی سکھا دیا۔"

حارث: "آپ کے پیسوں میں خون کی بو آتی ہے غوری صاحب۔ ہماری تذلیل کر کے اب آپ سکون خریدنا چاہتے ہیں؟"

احمد غوری: "میں سکون نہیں، بخشش مانگ رہا ہوں۔"

اقراء: "تو پھر خدا کی درگاہ میں جائیے! جہاں توبہ کی قیمت رقم نہیں، آنسو ہوتے ہیں۔ ہم نے معاف کیا، مگر اپنا سودا اپنے پاس رکھیے۔ خدا کے بندے بنیں، خدا بننے کی کوشش نہ کریں۔"

میں سے من تک

منظر 7: شاہ شمس کی درگاہ – انا کا قتل

(احمد دیوانہ وار بھاگتا ہوا درگاہ پہنچتا ہے۔ سبحان فقیر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں۔)

احمد غوری: (گرتے پڑتے) "بابا! میں ہر دروازے پر گیا، پر دل کا بوجھ نہیں اترا۔ میں لٹ گیا ہوں!"

سبحان فقیر: (مسکراتے ہوئے، پیٹھ موڑے) "احمد! جب تک 'میں' زندہ رہتی ہے، انسان لٹتا ہی رہتا ہے۔ آج تمہاری انا کا جنازہ اٹھا ہے، تبھی تو اس چوکھٹ پر آئے ہو۔"

احمد غوری: "مجھے معافی کا راستہ دکھائیں!"

سبحان فقیر: (سامنے اشارہ کرتے ہوئے جہاں ثنا اور بلال بیٹھے ہیں) "وہ دیکھو! ہوس اور نادانی کا ایک اور سودا ہونے جا رہا ہے۔ وہ بچی اپنے باپ کی پگڑی اچھال کر اس فریبی کے ساتھ آئی ہے۔ جاؤ! اسے حقیقت کا آئینہ دکھاؤ۔ اسے بتاؤ کہ گھر سے بھاگ کر ملنے والی محبت، محبت نہیں ذلت ہوتی ہے۔"

منظر 8: انا کا تھپڑ – فقیری کا پہلا سبق

(احمد ثنا اور بلال کے پاس پہنچتا ہے۔ اس کا لہجہ اب حاکمانہ نہیں، مشفقانہ ہے۔)

احمد غوری: "بیٹا! جس سائے کی تلاش میں تم گھر سے نکلی ہو، وہ سایہ نہیں تپتی دھوپ ہے۔ والدین کی دعا کے بغیر اٹھنے والا ہر قدم دلدل کی طرف جاتا ہے۔ لوٹ جاؤ اپنے گھر!"

بلال: (تیزی سے اٹھ کر) "اوئے پاگل! اپنی نصیحتیں اپنی جیب میں رکھ۔ تو ہوتا کون ہے ہمارے بیچ میں آنے والا؟ اپنی اوقات دیکھی ہے؟"

احمد غوری: (عاجزی سے) "بلال کو نظر انداز کرتے ہوئے ثنا سے بیٹا، تمہاری زندگی انمول ہے۔ یہ فیصلہ تمہیں کہیں کا نہیں چھوڑے گا۔"

(بلال غصے میں احمد کے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ رسید کرتا ہے۔ احمد پیچھے گرتا ہے، درگاہ کے زائرین ٹھٹک جاتے ہیں۔ احمد کے گال پر انگلیوں کے نشان ابھر آتے ہیں، مگر وہ مسکراتا ہے۔)

بلال: "اب دوبارہ نظر مت آنا، ورنہ جان سے جاؤ گے!" (وہ ثنا کا ہاتھ پکڑ کر چلا جاتا ہے)

منظر 9: انا کا اختتام – کامیابی کی نوید

(احمد واپس سبحان فقیر کے پاس آتا ہے۔ اس کے چہرے پر طمانینت ہے۔)

احمد غوری: "بابا! میں ہار گیا۔ اس نے مجھے تھپڑ مارا اور میری بات نہیں مانی۔"

سبحان فقیر: (قہقہہ لگا کر، وجدانی کیفیت میں) "نہیں احمد! آج تو تم جیت گئے۔ جس تھپڑ پر تمہارا ہاتھ نہیں اٹھا، اسی پل تمہاری 'انا' قتل ہو گئی۔ تم نے توبہ کی پہلی منزل پار کر لی ہے۔ رہی وہ بچی... تو یاد رکھ، اس کی ڈور اب تیرے ہی ہاتھوں سلجھے گی۔ خدا گناہوں کا راستہ بند کرنے کے لیے کبھی کبھی اپنے بندوں کو قربان کرتا ہے۔ جا! اب تیرا سفر شروع ہوتا ہے۔"

کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 9: دکانداری اور حق کی للکار)
| نمبر شمار | کردار کا نام / پہچان | کردار کی نوعیت / تفصیل | اندازۂ عمر |

1	احمد غوری (میرو)	کہانی کا مرکزی کردار۔ جو اب "میرو" کے نام سے مشہور ہے اور مادی دنیا چھوڑ کر حق کی تبلیغ اور باطل کے خلاف سینہ سپر ہے۔	34 سال
2	نذیر	ایک پریشان حال شخص جو اولاد کی نعمت سے محروم ہے اور پیروں کے چکر میں پھنسا ہوا ہے۔	35 تا 40 سال
3	بابا جلال	کہانی کا نیا منفی کردار۔ ایک ڈھونگی پیر جو دین کے نام پر دکانداری چمکاتا ہے اور لوگوں کے ایمان سے کھیلتا ہے۔	60 تا 65 سال
4	رحیم (چمچہ)	بابا جلال کا کارندہ اور وفادار، جو اسے میرو کی سرگرمیوں کی اطلاع دیتا ہے۔	30 تا 35 سال
5	شیر خان	احمد غوری کا وفادار ساتھی، جو اب "غوری فاؤنڈیشن" کے فلاحی کام سنبھال رہا ہے اور احمد کی گمنامی کا محافظ ہے۔	42 تا 47 سال
6	مقصود صاحب	ایک سفید پوش باپ، جس کی بیٹی کی شادی میں غوری فاؤنڈیشن نے مدد کی۔	50 تا 55 سال
7	میڈیا پرسن 1	ایک صحافی جو غوری فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں سے متاثر ہو کر احمد غوری کا انٹرویو لینے آیا۔	28 تا 32 سال
8	میڈیا پرسن 2	دوسرا صحافی جو احمد غوری کی تبدیلی اور اس کے غائب ہونے کے بارے میں سوال کرتا ہے۔	30 تا 35 سال
9	حملہ آور	بابا جلال کے بھیجے ہوئے غنڈے جنہوں نے میرو پر ڈنڈوں سے حملہ کیا۔	25 تا 35 سال
10	ثنا	وہ لڑکی جو بلال کے دھوکے میں گھر سے بھاگی تھی، اب ایک طوائف خانے میں ہے اور زخمی میرو کو بچاتی ہے۔	22 تا 23 سال
نفسیاتی جائزہ (Character Insights):
* احمد غوری کا ارتقاء: احمد اب "سیٹھ" سے "فقیر" بن چکا ہے۔ اس کا بابا جلال کے سامنے کھڑے ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اب وہ کسی انسانی خوف سے آزاد ہو کر صرف رب کے سامنے جوابدہ ہے۔
* ثنا کا المیہ: جس "محبت" کی تلاش میں وہ نکلی تھی، اس نے اسے "طوائف خانے" کی گلیوں میں لا پھینکا۔ اس کا میک اپ اور مصنوعی چمک اس کے اندرونی کرب کی عکاسی کر رہے ہیں۔
* شیر خان کی تبدیلی: شیر خان کا کردار یہ ظاہر کرتا ہے کہ اچھے انسان کی صحبت (احمد غوری کی تبدیلی) سے ایک جابر کارندہ بھی انسانیت کا خدمت گزار بن سکتا ہے۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
دوسری آخری قسط (نمبر 9): "دکانداری اور حق کی للکار"
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس
منظر 1: قصبے کا چوراہا — دو سال بعد
(وقت گزرنے کے ساتھ احمد غوری کا چہرہ اب مٹی اور نور کا آمیزہ بن چکا ہے۔ اس نے سادہ کرتہ پہنا ہے اور وہ قصبے کے چوراہے پر ایک پرانے درخت کے نیچے بیٹھا ہے۔ لوگ اسے 'میرو' کے نام سے جانتے ہیں۔ وہاں کچھ لوگ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔ ایک پریشان حال شخص، نذیر، سر جھکائے بیٹھا ہے۔)
نذیر: "یار! دس سال ہو گئے شادی کو، ہر ڈاکٹر کو دکھایا، پیروں فقیروں کی خاک چھانی، پر اللہ نے اب تک اولاد کی نعمت سے نہیں نوازا۔"
دوسرا آدمی: "ارے نذیر! تو کیوں پریشان ہے؟ ہمارے پنڈ کا 'بابا جلال' ہے نا۔ اس کے تعویز میں وہ اثر ہے کہ پتھر سے بھی چشمہ پھوٹ پڑے۔ کل ہی اس کے پاس جا، نذرانہ دے، تیرا کام ہو جائے گا۔"
(میرو، جو خاموشی سے سن رہا تھا، اچانک ہنس پڑتا ہے۔ اس کی ہنسی میں طنز نہیں بلکہ دکھ ہے۔)
میرو: "نادان لوگوں! تم کب تک ان مٹی کے خداؤں کے پیچھے بھاگتے رہو گے؟ یہ پیری مریدی اور تعویزوں کی دکانداری تمہیں خدا سے دور کر رہی ہے۔"
آدمی: (غصے سے) "اوئے میرو! تو ہوتا کون ہے بابا جلال کی شان میں گستاخی کرنے والا؟"
میرو: "میں گستاخی نہیں، حقیقت بتا رہا ہوں۔ سب کچھ میرے مالک کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن کہتا ہے: 'وہی ہے جو جسے چاہے بیٹیاں دے اور جسے چاہے بیٹے دے اور جسے چاہے بانجھ کر دے' (الشوریٰ: 49-50)۔ جب فیصلہ عرش پر ہوتا ہے، تو زمین پر بیٹھے یہ دکاندار کون ہوتے ہیں مداخلت کرنے والے؟ اولیاء اور فقیر تو وہ ہیں جو تمہیں رب کا راستہ دکھائیں، نہ کہ تمہیں اپنے پیروں کا اسیر بنائیں۔ یہ سب دکانداری ہے، اب بتا نذیر! جب عرش والا فیصلہ کر چکا، تو زمین پر بیٹھا یہ مٹی کا بت اسے بدلنے کا کتنا نذرانہ لے گا؟"
نذیر (خاموشی سے): "پھر میں کہاں جاؤں؟"
میرو: "اس کے پاس، جو مانگے بغیر دیتا ہے۔ جو بغیر تعویز کے دھڑکنیں چلاتا ہے۔ سجدہ کرنا ہے تو اس ایک کے آگے کر، ان دکانداروں کے آگے نہیں جو دین کے نام پر دنیا لوٹ رہے ہیں۔ آج ڈاکٹروں اور پیرو کو چھوڑ کر سچے دل سے اس کو یاد کرنا اور اس زد کرنا جیسے بچہ کھلونا لینے کے لیے کرتا ہے اور تب تک روتا رہتا ہے جب تک کھلونا نہ مل جائے"
منظر 2: بابا جلال کا آستانہ — تکبر کی گدی

میں سے من تک

ریشمی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بابا جلال حقے کے مرغولے چھوڑ رہے تھے۔ ہر مرغولے میں ایک نئی چال چھپی تھی۔ رحیم (چمچہ) ہانپتا ہوا داخل ہوا۔
رحیم: "سرکار! غضب ہو گیا۔ چوراہے پر وہ میرو آپ کی 'ولایت' کو دکانداری کہہ رہا ہے۔ کہتا ہے تعویذوں سے تقدیر نہیں بدلتی۔"
بابا جلال (آنکھیں سکیڑ کر): "میرو؟ وہی جو ایک ادنٰی سا بھکاری ہے؟ رحیم! یہ جو خاموشی ہوتی ہے نا، یہ ہماری سلطنت کا زہر بن سکتی ہے۔"
رحیم: "حکم کریں سرکار! کیا اسے خاموش کروا دوں؟"
بابا جلال: "نہیں۔۔۔ خاموش کروانے سے لوگ ہمیں حقیقت میں غلط مان لیں گے۔ اسے ذلیل کرنا ہوگا۔ اعلان کر دو! آج شام اسی چوک میں 'کھلی کچہری' ہوگی۔ میں دیکھوں گا وہ کون سی کتاب لایا ہے جو میرے صد سالہ شجرے کو للکار رہی ہے۔"
منظر 3: انسانی حقوق
ایک گھر کا منظر جہاں سے ابھی ایک بیٹی کی رخصتی ہوئی ہے اس بیٹی کا باپ احمد غوری کے وفا دار شیر خان سے ہمکلام ہوتے ہوئے شکریہ شیر خان بھائی آج آپ کی بدولت میں یہ فرض ادا کر پایا ہوں ۔
شیر خان: نہیں نہیں معصود صاحب یہ میرے رب کے کام ہے اور وہی باخوبی انکو انجام دیتا ہے یہ سب کچھ غوری فاؤنڈیشن کی جانب سے نہیں بلکہ خدا کی طرف سے طہ شدہ تھا۔
منظر 4: شام کو کھلی کچہری — حق و باطل کا معرکہ
شام کے سائے گہرے ہوتے ہی پورا قصبہ چوراہے میں سمٹ آیا۔ ایک طرف مشعلیں، ریشمی چادریں اور جلال کا لاؤ لشکر تھا، دوسری طرف صرف مٹی پر بیٹھا میرو۔
بابا جلال (تکبر سے): "میرو! سنا ہے تم نے ہماری گدی پر انگلی اٹھائی ہے؟ کیا تم ان حدیثوں سے واقف نہیں جو اولیاء اللہ کی شان میں ہیں؟"
میرو (پرسکون لہجے میں): "بابا جی! مقام ان کا ہے جو 'خدا' کی طرف بلائیں، نہ کہ ان کا جو 'خدا' بن کر بیٹھ جائیں۔ آپ لوگوں کو تعویذ بیچتے ہیں، جبکہ اللہ کہتا ہے: 'اور جب ہم بیمار ہوتے ہے تو وہی (اللہ) ہمیں شفا دیتا ہے۔ آپ بتائیں، آپ کے پاس اللہ کے فیصلوں میں مداخلت کی کوئی سند ہے؟"
بابا جلال (غصے سے): "ادب کر نادان! ہم وسیلہ ہیں، ہم رب کے رازدار ہیں۔"
میرو (سوالیہ انداز میں): "رازدار یا ٹھیکیدار؟ بابا جی! اگر آپ وسیلہ ہیں، تو وسیلے کی قیمت کیوں وصول کرتے ہیں؟ کیا سورج روشنی دینے کا معاوضہ مانگتا ہے؟ کیا بارش برسنے سے پہلے نذرانہ لیتی ہے؟ اگر اللہ کی رحمت مفت ہے، تو اس کے وسیلے اتنے مہنگے کیوں ہیں؟"

میں سے من تک

بابا جلال (پسینہ پونچھتے ہوئے): "یہ روحانی اسرار ہیں، تم جیسے جاہل نہیں سمجھیں گے۔"
میرو (تاریخی جملہ): "جہاں قیمت شروع ہوتی ہے، وہاں سے روحانیت ختم ہو جاتی ہے۔ آپ نے دین کو بازار بنا دیا ہے اور ایمان کو جنسِ ارزاں۔ یاد رکھیں! جب حق بولتا ہے تو باطل کو اپنی اصطلاحات کے پیچھے چھپنے کی جگہ نہیں ملتی۔"
ہجوم میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ جلال کے ماتھے پر پسینہ نہیں، بلکہ اس کی جھوٹی ولایت کا کفن تھا۔
منظر 5: غوری فاؤنڈیشن کی کھوج

ڈھلتی رات میں ایک بڑی گاڑی احمد غوری کے گھر کے باہر ہارن دیتی ہے معلوم کرنے پر پتا چلتا ہے کہ کچھ لوگ غوری فاؤنڈیشن کے فلاحی کاموں سے متاثر ہوکر احمد غوری کا انٹرویو کرنے آئے ہیں انہیں اندر لایا جاتا ہے شیر خان انکو باعزت طریقے سے بیٹھا کر شائے بسکٹ پیش کرتا ہے اور کہتا ہے جی محترم کیا مدد کر سکتے ہیں ہم آپ کی میڈیا کا ایک آدمی کہتا ہے بھائی ہمیں احمد غوری سے ملنا ہے شیر خان کا جواب آتا ہے جناب وہ تو دو سال سے ہمیں نہیں ملے آپ کو کیسے ملوائیں میڈیا کا دوسرا آدمی کہتا ہے یہ غوری فاؤنڈیشن یہ سب ادارے یہ ہاسپٹل یہ سکول یہ اولڈ ایج ہوم اور ہزاروں لوگوں کی طرح طرح کی مدد یہ سب کام کیسے چل رہے ہیں کون چلا رہا ہے اور کیسے یہ وجود میں آئے شیر خان کہتا ہے جناب زیادہ تو کچھ نہیں کہہ سکتا بس اتنا ہی ہے کہ ایک وقت تھا جب ہمارے باس احمد غوری بہت ہی جابر انسان ہوا کرتا تھا پتہ نہیں خدا رائی طور پہ انہیں کیا ہدایت ملی کہ انہوں نے یہ سب کیا اور دو سال سے وہ ایک گمنام راستے پر ہیں کبھی کسی کو نہیں ملے اور مجھے ہدایت کر گئے تھے کہ میں نے یہ سب کچھ ان کے بعد جاری رکھنا ہے تو میڈیا کا آدمی کہتا ہے ٹھیک ہے بھائی پھر ہم اجازت چاہتے ہیں اور اس کا حاصل جواب یہی ہوا کہ خدا جب چاہے جسے چاہے ہدایت بخش دے اور راہ راست پر لے ائے
منظر 6: رات کا اندھیرا — حق کی قیمت

رات کے سناٹے میں میرو ایک پرانی چادر اوڑھ کر فٹ پاتھ پر دراز تھا۔ اچانک تین سائے نمودار ہوئے۔
حملہ آور (ڈنڈا تان کر): "بڑا سورما بنتا ہے نا؟ آج تیری زبان کی تیزی نکالتے ہیں۔"
پہلا وار میرو کے کندھے پر پڑا، دوسرا اس کے ماتھے پر۔ خون کی ایک لکیر اس کی آنکھ میں اتر آئی۔
میرو (کراہتے ہوئے مگر مسکراتے ہوئے): "بس اتنا ہی زور ہے تمہارے باطل میں؟ حق کو دبانے کے لیے ڈنڈے چاہیے؟"
حملہ آور: "تیرا اللہ اب کہاں ہے؟ بلا اسے!"
میرو: "وہ یہیں ہے، دیکھ رہا ہے کہ تمہارے گناہ کا گھڑا بھر رہا ہے یا نہیں۔۔۔ اللہ۔۔۔ اللہ۔۔۔"
اچانک دور سے ایک گاڑی کی ہیڈ لائٹس چمکیں۔ حملہ آور سہم کر اندھیرے میں غائب ہو گئے۔ گاڑی میرو

کے قریب آ کر رکی۔ اس میں سے ایک عورت نکلی۔ یہ ثنا تھی، وہی لڑکی جس سے وہ درگاہ پر ملا تھا۔ اس کے چہرے پر اب وہ معصومیت نہیں، بلکہ ایک مصنوعی چمک اور گہرا دکھ تھا۔

ثنا: "اسے اٹھاؤ! جلدی کرو!"

منظر 7: طوائف خانہ — جہاں تقدیر شرمندہ ہے

جب میرو کی آنکھ کھلی، تو اسے اپنی سانسوں میں گلاب اور سستی عطر کی ملی جلی بو آئی۔ دیواروں پر جھانجریں لٹک رہی تھیں اور فضا میں طبلے کی تھاپ کی گونج باقی تھی۔ ثنا سامنے کھڑی تھی، اس کا بھاری میک اپ اس کے آنسوؤں کو چھپانے میں ناکام تھا۔

کرداروں کی فہرست (قسط نمبر 10: من کی منزل)
| نمبر شمار | کردار کا نام / پہچان | کردار کی نوعیت | اندازۂ عمر | انجام / حاصلِ کردار |

1	احمد غوری (میرو)	مرکزی کردار	34 سال	اپنی انا کو مار کر "من کی منزل" پا لی۔ توبہ کے بعد ایک سچے انسان کے روپ میں ابھرا۔
2	ثنا	رزاق کی بیٹی	22 سال	دلدل سے نکل کر سچی توبہ کی اور باپ کی چادر کا سایہ دوبارہ حاصل کر لیا۔
3	حارث	اقراء کا شوہر	26 سال	جسمانی معذوری کے باوجود ضمیر کی پاکیزگی اور گھریلو سکون کی دولت سے مالا مال ہوا۔
4	اقراء	حارث کی اہلیہ	22 سال	وفا اور استقامت کی علامت بنی۔ ایک خوشحال اور باوقار زندگی بسر کر رہی ہے۔
5	بلال	مکار عاشق	25 سال	انجام: اپنے ہی ساتھیوں (ماجا اور راجو) کے ہاتھوں قتل ہوا اور عبرت کا نشان بنا۔
6	بابا جلال	ڈھونگی پیر	65 سال	انجام: مریدوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوا اور آستانے سے نکال دیا گیا۔ جھوٹی ولایت کا پردہ چاک ہوا۔
7	ماجا	جرائم پیشہ سرغنہ	45 سال	انجام: پولیس کے ہاتھوں گرفتار ہوا اور سلاخوں کے پیچھے پہنچا۔
8	راجو	ماجا کا کارندہ	35 سال	انجام: بلال کے قتل اور دیگر جرائم میں گرفتار ہوا۔
9	رزاق	ثنا کا باپ	60 سال	میرو کی نصیحت پر اپنی بیٹی کو معاف کر دیا اور اپنا ظرف بڑا کر کے اسے اپنا لیا۔
10	سبحان فقیر	روحانی استاد	70 سال	احمد غوری کے سفرِ توبہ کی تکمیل پر خوش اور بدستور دربار پر گوشہ نشین۔
11	انسپکٹر	پولیس افسر	50 سال	میرو کی مدد سے جرائم پیشہ گروہ کا خاتمہ کیا۔
12	مرید 1 اور 2	جلال کے سابق مرید	30-40 سال	دھوکہ دہی کا ادراک ہونے پر اپنے حقوق کے لیے کھڑے ہوئے۔
13	میرو کا ساتھی	حق کی آواز	35 سال	ہجوم میں سچائی بیان کرنے والا شخص۔

ناول کا خلاصہ (Thematic Essence)
* احمد غوری: غرور سے عاجزی تک کا سفر۔
* ثنا: بھٹکنے سے توبہ تک کا سفر۔
* اقراء و حارث: ہوس کے مقابلے میں سچی محبت کی جیت۔
* بابا جلال و بلال: باطل اور تجارتِ دین کا عبرت ناک خاتمہ۔

فخر شہزاد صاحب! آپ کا یہ ناول سوشل میڈیا اور ادبی حلقوں میں اپنی اخلاقی گہرائی کی وجہ سے بہت پسند کیا جائے گا۔

میں سے من تک

ناول میں سے من تک
آخری قسط نمبر 10: "من کی منزل"
مصنف فخر شہزاد ایم ایف ایس

منظر 1: ہوس کی قید اور ضمیر کی دستک

(طوائف خانے کا وہ تاریک کمرہ جہاں دیواروں کی سیلم سے سڑاند اٹھ رہی تھی۔ ثنا، بکھرے بالوں اور اجڑی آنکھوں کے ساتھ میرو کے سامنے ایک مجسمہِ یاس بنی کھڑی تھی۔ میرو کی نظریں اس کے لرزتے وجود پر جم گئیں۔)

میرو: (آواز میں پدری شفقت اور صدمے کا ملاپ) "سجدوں کی امانت کو بازار کی زینت بنتے دیکھنا... کیا یہی وہ خواب تھا جس کی تعبیر تم نے گھر کی دہلیز پار کر کے ڈھونڈی تھی، بیٹی؟"

ثنا: (لفظ 'بیٹی' سنتے ہی جیسے اس کے اندر کا بند ٹوٹ گیا۔ وہ چونک کر پیچھے ہٹی) "بیٹی؟ اس جہنم میں تو صرف 'انسانوں کے ضمیر' بکتے ہے، یہاں رشتوں کی زبان بولنے والا یہ اجنبی کون ہے؟"

میرو: (دھیرے سے قدم آگے بڑھاتے ہوئے) "پہچاننے کی کوشش کرو۔ شاہ شمس تبریز کے سائے میں ایک شخص نے تمہاری آبرو کی خاطر تھپڑ کھایا تھا... یاد ہے وہ لمس جو غیرت کے نام پر گال پر چھپا تھا؟"

ثنا: (ہچکیوں کے درمیان، آنکھوں میں پہچان کی چمک) "آپ... آپ وہی درگاہ والے ہیں؟ جس پر اس ظالم بلال نے سرِ عام ہاتھ اٹھایا تھا؟"

میرو: (ہلکا سا مسکرا کر) "ہاتھ اس کا تھا، مگر چوٹ میرے غرور کو لگی تھی۔ آج وہی چوٹ مرہم بن کر تمہیں ڈھونڈ لائی ہے۔ اس دن انا ہاری تھی، آج شاید تمہارا نصیب جیتنے والا ہے۔"

ثنا: (کرب سے چلاتے ہوئے) "کون سا نصیب؟ میں تو کوڑیوں کے بھاؤ نیلام ہو چکی ہوں! بلال نے میری محبت کو ماجا کے ہاتھوں چند میلے نوٹوں کے بدلے بیچ دیا۔ اس دلدل میں واپسی کا راستہ صرف موت ہے جی، صرف موت!"

میرو: (لہجے میں جلال لاتے ہوئے) "موت تو بزدلوں کی پناہ گاہ ہے بیٹی! واپسی کا راستہ موت نہیں، توبہ ہے۔ یاد رکھو، توبہ کی مسافت تمہارے قدموں سے نہیں، تمہارے آنسوؤں سے طے ہوتی ہے۔ تم جس گندگی کی بات کرتی ہو، وہ تمہارے کپڑوں پر ہے، تمہاری روح پر نہیں!"

ثنا: "آپ نہیں جانتے، یہاں کا سیٹھ شہر کا فرعون ہے۔ اس کے گماشتے ہر گلی میں پہرہ دیتے ہیں۔"

میرو: (آسمان کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے) "فرعون کی طاقت نیل کی لہروں کی محتاج تھی، اور میرا رب ان لہروں کا خالق ہے۔ جس نے فرعون کے محل میں موسیٰ کی پرورش کی، کیا وہ اس گندگی کے ڈھیر سے

ایک پاک روح کو نکالنے پر قادر نہیں؟ بس ایک بار اپنے 'من' کو اس کے نام کر کے تو دیکھو، کائنات تمہاری زرہ بن جائے گی۔"

منظر 2: پارسائی کا زوال (بابا جلال کا انجام)

(بابا جلال کا آستانہ جو کبھی عقیدت کا مرکز تھا، آج مقتل بن چکا تھا۔ دھوئیں اور اگر بتیوں کی جگہ غصے کی تپش نے لے لی تھی۔ مریدوں کا ہجوم بپھرا ہوا تھا۔)

مرید 1: (ایک بے جان تعویذ جلال کے سامنے پھینکتے ہوئے) "یہ کاغذ کا ٹکڑا میرے بیٹے کی سانسیں کیوں نہ روک سکا؟ تم تو کہتے تھے کہ تمہارے تعویذ سے موت کا فرشتہ راستہ بدل لیتا ہے!"

بابا جلال: (ہاتھ جوڑ کر، لرزتی آواز میں) "بیٹا! قضا اور قدر کے فیصلے اوپر ہوتے ہیں... میں تو بس ایک وسیلہ تھا۔"

مرید 2: (گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے) "وسیلہ یا تاجر؟ اگر فیصلے اوپر ہوتے ہیں تو پچاس ہزار روپے نذرانہ کس بات کا لیا تھا؟ کیا تم نے خدا کے فیصلوں پر کمیشن لینا شروع کر دیا تھا؟"

میرو کا ساتھی: (ہجوم کو چیرتے ہوئے آگے بڑھا) "لوگو! دیکھ لو اس شعبدہ باز کو۔ جب تک تمہاری جیبوں میں سکوں کی جھنکار تھی، یہ تمہارا 'خدا' بنا رہا۔ آج تمہاری ضرورت بڑھی تو اس کی خدائی ڈھیر ہو گئی۔ یہ عقیدت کا لبادہ نہیں، تمہاری مجبوریوں کا کفن ہے!"

بابا جلال: (گڑگڑا کر) "مجھے معاف کر دو، میں تو بس تمہارا ایمان پختہ کر رہا تھا!"

ہجوم کا ایک بوڑھا: "ایمان پختہ نہیں، تم ہماری لٹتی ہوئی امیدوں کا سودا کر رہے تھے۔ نکل جا یہاں سے! اس سے پہلے کہ یہ آستانہ تیری گناہوں کی آگ میں جل کر راکھ ہو جائے، اپنی منحوس صورت لے کر دفع ہو جا!"

(لوگوں نے اسے ٹھوکروں کی زد میں رکھ لیا۔ وہ شخص جس کے قدموں کو چھونا سعادت سمجھا جاتا تھا، آج اسی مٹی میں اپنی ساکھ ڈھونڈ رہا تھا۔)

منظر 3: ہوس کا انجام (بلال، ماجا اور راجو)

(ایک نیم تاریک گودام، جہاں لوہے کے زنگ کی بو پھیلی ہوئی تھی۔ بلال کی آنکھوں میں ہوس اور غصے کی سرخی تھی۔)

بلال: (ماجا کا گریبان مروڑتے ہوئے) "ماجا! دو سال ہو گئے اس لڑکی کو دیے ہوئے۔ وعدہ ہر ماہ کے حصے کا تھا، مگر تمہاری جیب سے تو اب جھوٹ بھی نہیں نکل رہا۔ کہاں ہے میرا پیسہ؟"

ماجا: (اطمینان سے سگریٹ کا دھواں بلال کے چہرے پر چھوڑتے ہوئے) "پیسہ؟ کون سا پیسہ بلال میاں؟ تم نے اپنی 'غیرت' بیچی تھی، اور غیرت کی قیمت بازار میں صرف ایک بار ملتی ہے۔ سودا ختم، قصہ ختم۔"

میں سے من تک

راجو: (سائے سے نکل کر چاقو کی دھار پر انگوٹھا پھیرتے ہوئے) "استاد! یہ کتا بہت زور سے بھونکنے لگا ہے۔ کیا اسے اس کے ضمیر کے پاس بھیج دوں؟ سنا ہے وہ دو سال پہلے ہی مر گیا تھا۔"

بلال: (خوف اور غصے کے ملے جلے لہجے میں) "تم نے مجھے دھوکہ دیا! میں نے ثنا کو تمہارے حوالے اس لیے کیا تھا کہ..."

ماجا: (بات کاٹ کر تاریخی جملہ) "اس لیے کیا تھا کہ تم اس سے محبت کرتے تھے؟ بلال! یاد رکھنا، جو محبت قیمت مانگ لے، وہ محبت نہیں 'تجارت' ہوتی ہے۔ اور تاجر کبھی صلہ نہیں، صرف نفع مانگتا ہے۔ راجو! اس کی آواز بہت اونچی ہے، اسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دو، پولیس کے آنے سے پہلے ہمیں یہ گندگی صاف کرنی ہے۔"

(راجو کا خنجر بلال کے سینے میں اترا۔ زمین پر گرتے ہوئے بلال کو ثنا کی وہ آخری چیخ سنائی دی جو اس نے گاڑی میں ڈالتے وقت ماری تھی۔ اس نے گڑھے کھودے تھے، مگر آج اس کی اپنی قبر وہیں بن گئی جہاں اس نے ضمیر کا سودا کیا تھا۔)

منظر 4: محبت کی خوشبو (اقراء اور حارث)

(گھر کے آنگن میں شام کی زرد دھوپ پھیلی تھی۔ حارث وہیل چیئر پر بیٹھا ایک معصوم بچے کو انگلی پکڑے چلنا سکھا رہا تھا۔ اقراء چائے کی پیالیاں لیے آئی تو منظر دیکھ کر رک گئی۔)

حارث: "اقراء! دیکھو تو، یہ بالکل تمہاری طرح اپنی بات منوانے پر بضد ہے۔"

اقراء: (مسکرا کر پاس بیٹھتے ہوئے) "اور اس کی آنکھوں میں جو عزم ہے، وہ حارث کا ہے۔ وہ حارث جو طوفانوں میں بھی سیدھا کھڑا رہا۔"

حارث: (کچھ لمحے خاموش رہ کر، دور افق کو دیکھتے ہوئے) "کبھی کبھی روح کانپ جاتی ہے اقراء۔ اگر اس دن میں احمد غوری کے حرام مال کے سامنے جھک جاتا، تو شاید آج میرے پاس ٹانگیں ہوتیں، مگر کیا میں تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ پاتا؟"

اقراء: "حارث! جسمانی معذوری تو صرف ایک امتحان ہے، اصل معذوری تو ضمیر کا مفلوج ہونا ہے۔ خدا نے ہمیں آزمایا، اور بدلے میں وہ سکون دیا جو محلوں میں بانٹا نہیں جاتا۔ یہ بچہ، یہ گھر، یہ مان... یہی تو ہماری اصل جاگیر ہے۔"

حارث: (سنجیدگی سے) "سچ ہے اقراء۔ سکون بینک بیلنس میں نہیں، اس سچ میں ہے جو انسان کو رات کو چین کی نیند سلا دے۔"

منظر 5: حق کی فتح اور آزادی

(اچانک طوائف خانے پر پولیس کی بھاری نفری چھاپہ مارتی ہے۔ ماجا اور راجو فرار ہونے کی کوشش میں

گرفتار ہو جاتے ہیں۔ میرو ثنا کو لے کر باہر نکلتا ہے۔)
انسپکٹر: "میرو صاحب! آپ کی دی ہوئی اطلاع نے اس پورے گروہ کو بے نقاب کر دیا ہے۔ یہ لڑکیاں اب آزاد ہیں۔"
میرو: "شکریہ انسپکٹر صاحب۔ بس اب اس بچی کو اس کے گھر پہنچانا میرا فرض ہے۔"
ثنا: (کانپتے ہوئے) "میرو جی... کیا ابا مجھے قبول کریں گے؟"
میرو: "تمہارا سفر توبہ کا ہے بیٹی، اور توبہ کے مسافر کو رب کبھی تنہا نہیں چھوڑتا۔"
منظر 6: باپ کا حوصلہ (ثنا کی واپسی)
(رزاق کے گھر کا بوسیدہ دروازہ۔ ثنا، میرو کے پیچھے یوں چھپی تھی جیسے کوئی پرندہ شکاری کے خوف سے سہما ہو۔ رزاق باہر نکلا، اس کے چہرے کی جھریاں اس کے دکھوں کی گواہی دے رہی تھیں۔)
رزاق: (ثنا کو دیکھتے ہی جیسے غصے کا لاوا پھٹ پڑا) "واپس چلی جا! اس گھر کی دیواریں تیری خوشبو بھول چکی ہیں۔ میری غیرت کا جنازہ تو نے اسی دن نکال دیا تھا جب اس اجنبی کے ساتھ دہلیز پار کی تھی۔ اب یہاں صرف میرا ماتم باقی ہے!"
میرو: (درمیان میں حائل ہوتے ہوئے، گرجدار مگر نرم لہجے میں) "رزاق صاحب! ذرا ٹھہریے۔ اگر عرش والا رب اپنے بندے کی عمر بھر کی خطائیں ایک آنسو کے بدلے معاف کر سکتا ہے، تو مٹی کا بنا انسان اتنا سخت کیوں ہو جاتا ہے کہ بخشش کا دروازہ ہی بند کر دے؟"
رزاق: (چلاتے ہوئے) "آپ نہیں جانتے، محلے والے میری سفید داڑھی پر آوازیں کستے ہیں۔ میں اپنی 'ناک' کہاں چھپاؤں؟"
میرو: (تاریخی مکالمہ) "رزاق صاحب! اگر آج آپ نے اس کے گناہ کو باپ کی چادر سے نہ ڈھانپا، تو کل لوگ آپ کی 'ناک' نہیں، آپ کی 'ظرف' پر تھوکیں گے۔ یہ بچی بھٹک گئی تھی، مگر اب یہ توبہ کی خوشبو لے کر آئی ہے۔ یاد رکھنا، جو باپ اپنی تائب بیٹی کے لیے دروازہ بند کرتا ہے، وہ اپنے لیے رحمان کا دروازہ بھی تنگ کر دیتا ہے۔ کسی کو تو اس نفرت کی زنجیر کو توڑنا ہوگا۔"
(رزاق کے جلال کی جگہ آنسوؤں نے لے لی۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے ثنا کا سر پکڑا اور اسے سینے سے لگا لیا۔ برسوں کی جمی ہوئی برف پگھل گئی۔)
منظر 7: اختتام — من تک کا سفر
(دربار شاہ شمس تبریز۔ سورج کی آخری کرنیں مزار کے سنہری گنبد سے لپٹ رہی تھیں۔ سبحان فقیر اپنی جگہ مست الست بیٹھے تھے، دور سے میرو کو آتے دیکھ کر ان کے چہرے پر ایک وجدانی مسکراہٹ پھیل گئی۔)

میں سے من تک

سبحان فقیر: "آؤ احمد غوری! یا اب تمہیں 'میرو' کہہ کر پکاروں؟"
احمد: (ان کے قدموں میں بیٹھ کر، عاجزی سے) "سائیں! اب تو صرف 'بندہ' رہنے دیں، جس کا نہ کوئی نام ہو نہ کوئی مقام۔ یہی میری سب سے بڑی پہچان ہے۔"
سبحان فقیر: (احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر) "دیکھا احمد! جب تم نے 'میں' کو مار کر 'من' کو ڈھونڈا، تو کائنات تمہارے قدموں میں سمٹ آئی۔ پیسہ تو وہ میل ہے جو صابن سے دھل جاتی ہے، اصل دولت تو وہ یقین ہے جو تمہیں تنہائی میں بھی بھیڑ کا احساس دلائے۔ تم 'من کی منزل' پا چکے ہو۔"
احمد: "سائیں! آج سمجھ آیا کہ جب انسان خود کو مٹا کر اسے پکارتا ہے، تو وہ صحراؤں میں بھی گلستان کھلا دیتا ہے۔"
(احمد غوری عرف میرو دربار کے صحن کی ٹھنڈی مٹی پر سجدہ ریز ہو گیا۔ اس کے آنسو زمین میں جذب ہو رہے تھے، جیسے اس کے ماضی کے سیاہ ابواب کو ہمیشہ کے لیے دھو رہے ہوں۔)
تحریر سکرین پر ابھرتی ہے:
"کائنات کی سب سے بڑی فتح دنیا کو فتح کرنا نہیں، بلکہ اپنے اس 'میں' کو مارنا ہے جو تمہیں تمہارے خالق سے دور رکھتی ہے اور جو میں مار کر 'من' کو فتح کر گیا وہ دنیا اور آخرت دونوں کو فتح کر گیا۔"

آغاز تاریخ

جنوری 5 - 2026

اختتام تاریخ

فروری 12 - 2026

پبلش تاریخ

فروری 21 - 2026